

رقص

از قلم ایمان خان

(پارٹ ون)

مت پوچھ فکرِ زیست کی غارت گری کا حال
احساس برف برف تھا مگر بھرک اٹھا۔۔۔۔۔

جھلملاتی روشنیوں والی اس بڑی سی کوٹھی میں عجیب سی پتھل پہل تھی آسمان پہ چاند اپنی
پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا اور زمین پہ وہ رنگ برنگے چمکیلے کپڑوں والی پریاں۔۔۔۔۔ جو
جھوم جھوم کہ زمین کو لرزا رہی تھی۔۔۔۔۔ ان کے پیروں کی حرکت نے کسی شکنجے کی طرح
زمین کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا اور سامنے بیٹھے ہوئے وہ مرد جھوم جھوم کے ان کی اس
محفل سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔۔۔۔۔

یہاں ہر طرف جیسے روشنیاں بکھری ہوئی تھیں یہاں کبھی رات نہیں ہوتی تھی لیکن کوئی نہیں جانتا تھا جسم کی ان سوداگر عورتوں کے دلوں میں شام کے اتنے گہرے اندھیرے تھے جن اندھیروں نے خواہشوں کا گلا گھونٹ دیا تھا ارمانوں کی قبر بنا دی تھی اور خوابوں کی کڑچیاں ان کے دل میں کھب گئی تھیں وہ جیسے کٹھپتلیاں تھیں جس کی ڈور ان کی ضرورتوں کے ہاتھ میں تھی کچھ کی تو ضرورتیں بھی مردہ تھیں وہ زندگی کے دن گن رہی تھیں کچھ دو روزہ محبت کا قرض چکانے آئی تھیں۔۔۔۔۔ یہاں ہر عورت اپنے گناہوں کا قرض ہی چکانے آئی تھی

سوائے اس ایک لڑکی کے جو اس چمکیلے پردے سے جھانک کہ رقص دیکھنے کی ناممکن کوشش کر رہی تھی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔۔۔۔۔

رانی جو کہ اس کوٹھے کی ابھرتی ہوئی طوائف تھی۔۔۔۔۔ لہک لہک کہ اپنے حسن کہ جلوے بکھیر رہی تھی اور سامنے بیٹھے نئے میں دھت مرد اس منظر میں اس قدر غرق تھے کہ انہیں اردگرد کی ہوش نہیں تھی

رانی پہ نوٹوں کی بارش ہو رہی تھی

اور وہ للچائی می ہوئی می نظروں سے ان نوٹوں کو دیکھ رہی تھی

جب اس کے کندھے سے پکڑ کہ اسے کسی نے کھڑکی سے پیچھے ہٹایا تھا۔۔۔۔

اور وہ پیچھے مڑے بغیر بھی جان چکی تھی کہ وہ ہستی کون ہے

وہ ایک دفعہ پھر پکڑی جا چکی تھی۔۔۔۔

اس لیے آنکھیں پینچے پیچھے مڑی تھی۔۔۔۔

سامنے چہرے پہ ناراضگی سجائے اس کی ماں کھڑی تھی

"آپ پھر یہاں کھڑی ہو آپ کو لاکھ دفعہ منع کیا ہے زپاش اس کھڑکی میں مت کھڑی ہوا
کمریں آپ پہ کسی بات کا کوئی می اثر نہیں ہوتا۔۔۔۔۔" وہاں باہر بیٹھے کسی مرد کی آپ پہ نظر
پڑ گئی نا تو وہ کٹے کی طرح پیچھے پڑ جائے گا۔۔۔۔۔ میں پھر آپ کو کس طرح بچاؤں گی

"اماں جان معذرت۔۔۔۔ خدا کی قسم ہم بس رقص دیکھ رہے تھے آپ کو تو پتہ ہے ہم رقص دیکھنے کہ کتنے شوقین ہیں۔۔۔۔ بس اسی لیے ہمیں معاف کر دیں۔۔۔۔ ہم آئی ندہ آپ کو دکھ نہیں پہچائی یں گے۔۔۔۔۔"

وہ کان پکڑ کہ شرمندگی سے ان سے معذرت کر رہی تھی۔۔۔۔۔

زری اس رقص کی خواہش مت کریں۔۔۔۔۔ یہ رقص ہمارے ضمیر کو سلا دیتا ہے ہمیں بے مول کر دیتا ہے یہ بے مول رقص ہماری قیمت لگاتا ہے ہمیں کھڑ پتلی بناتا ہے آپ تو خوش قسمت ہیں کہ اللہ نے اس کوٹھے میں بھی آپ کو پاکیزہ رکھا لوگوں کی گندی نظروں سے بچایا۔۔۔۔۔

وہ اونچے تاج بھرے پلنگ پہ بیٹھ کہ افسوس اور دکھ کی ملی جلی کیفیت میں کہہ رہی تھی۔۔۔۔۔

اور وہ بھورے بالوں والی لڑکی یہ سوچ رہی تھی کہ کوٹھا اتنی بری جگہ بھی نہیں ہے پھر یہ کیوں بدنام ہے۔۔۔۔۔ اور یہ رقص۔۔۔۔۔ کتنا خوبصورت ہے تو پھر اس کی ماں کیوں اس رقص کے خلاف ہے۔۔۔۔۔“

بحث کا ارادہ ملتوی کر کے وہ وہی خاموشی سے بیٹھ گئی۔۔۔۔۔

”جہاں آراء بیگم ایک نظر اپنی معصوم بیٹی کو دیکھ کہ رہ گئی۔۔۔۔۔“

وہ کب تک زپاش کو اس گندی جگہ پہ محفوظ رکھ سکیں گی۔۔۔۔۔

یہ سوچیں ایک دفعہ پھر انہیں پریشان کرنے لگی۔۔۔۔۔



اب میرے عیب تو مت گنواؤں
مجھے احساس ہے برا ہوں میں

صبح کا سورج ----- اس بڑی حویلی پہ اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا صبح کب کی ہو چکی تھی اب تو گھروں سے دن کے کھانے کی مہک آرہی تھی-----

یہ سادہ لوح لوگ اپنے کاموں کو دل و جاں سے انجام دے رہے تھے-----

”ایلے میں بڑی حویلی کے اس عالیشان کمرے میں وہ بکھرے بالوں والا خوبو نوجوان بے زاری چہرے پہ سجانے پلنگ سے نیچے اتر رہا تھا-----

ملازم تیسری دفعہ دستک دے کہ جاچکا تھا لیکن----- وہ اپنی مرضی سے ہی جاگا تھا-----

اب وہ آئی نے کے سامنے کھڑا----- بال درست کر رہا تھا-----

چوڑی پیشانی----- کالے سیاہ بال جو کنگی سے پیچھے کی طرف سیٹ کر رکھے تھے----- خوبصورت شہد رنگ آنکھیں----- مغرور ناک----- اور دائیں گال پہ پڑا ڈمپل----- اس کی خوبو شخصیت میں اضافہ کر رہا تھا-----

سفید کاٹن کی قمیض شلوار واسکٹ پہنے وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتا نیچے کی طرف گیا جہاں
سامنے بڑے صوفے پہ میر داد خان بیٹھے تھے۔۔۔۔۔

ایک اچنی نظر اس پہ ڈالی۔۔۔۔۔

ملازمہ کو چائے کی ہدایت دیتے ہوئے وہ میر داد خان کے قریب بیٹھ گیا۔۔۔۔۔

حیرت کی بات تھی کہ آج وہ اپنے لاڈلے پوتے سے بات نہیں کر رہے تھے۔۔۔۔۔

اور وجہ وہ جانتا تھا

”خان۔۔۔۔۔ لگتا ہے رات کو تاخیر سے واپس آئے ہیں آپ۔۔۔۔۔“؟

انہوں نے ذومعنی لہجے میں کہا۔۔۔۔۔

وہ چونکا

”جی بس ڈیرے پہ تھوڑا کام تھا۔۔۔۔۔“

اس نے سرسری کہا۔۔۔۔۔

”پوچھ سکتا ہوں کیا کام تھا آپ کو۔۔۔۔۔؟“

”دادا جی جب آپ کو علم ہو ہی گیا ہے تو۔۔۔۔۔ آپ مجھے کیوں کرید رہے ہیں۔۔۔۔۔“

وہ بری طرح چڑ گیا تھا۔۔۔۔۔

”کیا آپ نے ملک حق نواز کے بیٹے پہ صرف ایک گھوڑے کی وجہ سے فائی رنگ کی

ھے۔۔۔۔۔؟“

وہ ابھی تک بے یقین تھے

اس لیے سختی سے بولے۔۔۔۔۔

"نہیں اس کی بدتمیزی کی وجہ سے"

اس نے بھی دو بدو جواب دیا۔۔۔۔۔

"وہاج وہاج آپ کو ہماری ایک بات سمجھ نہیں آتی کیا۔۔۔۔۔ کب آپ یہ ضد چھوڑیں گے اپنی۔۔۔۔۔؟" یہ گاؤں کے لوگ ہمارے ملازم نہیں ہیں وہاج محبت پیار کے بھوکے ہیں۔۔۔۔۔ سختی برداشت نہیں کرتے ہماری عزت کرتے ہیں آپ کی ان غلطیوں کا خمیازہ ہم کتنی بار بھگت چکے ہیں۔۔۔۔۔ اب کی بار پھر بگھتے گے۔۔۔۔۔"

وہ بہت پریشان نظر آرہے تھے اس لیے اپنے لاڈلے پوتے کو پیار سے سمجھا رہے تھے

جسے وہ لاپرواہی سے سن رہا تھا۔۔۔۔۔

ان کی پوری بات سن کہ وہ تھوڑا ان کے قریب ہوا۔۔۔۔۔

آنکھوں میں تپش لے کہ انھیں دیکھنے لگا۔۔۔۔۔

"خان جی۔۔۔۔۔ یہاں لوگ ہماری نہیں۔۔۔۔۔ نوٹوں کی عزت کرتے ہیں یہ دنیا لوگوں کی نہیں
نوٹوں کی پجاری ہے اگر آپ کے پاس یہ دولت نہ ہوتی تو۔۔۔۔۔ آپ بس نام کہ خان رہ جاتے
"۔۔۔۔۔"

وہ تمسخرانہ ہنسا۔۔۔۔۔

وہ سفید بالوں والا شخص منہ کھولے اپنے پوتے کی باتیں سن رہے تھے۔۔۔۔۔

وہ اس کی اس حد تک صاف گوئی سے بہت تنگ تھے۔۔۔۔۔ اور آج تو اس نے حد ہی کر دی
تھی

اپنی غلطی وہ شروع ہی سے نہیں مانتا تھا۔۔۔۔۔ تو آج کیوں مانتا

ہمیشہ کی طرح ان کا منہ بند کروا کہ ٹیبل پہ پڑی انہی کی گاڑی کی چابیاں اٹھا کہ باہر
دروازے کی طرف بڑھ گیا

وہ جانتے تھے وہ اب دو تین دنوں بعد ہی گھر واپس آئے گا۔۔۔۔۔

وہ بس سر جھٹک کہ رہ گئے۔۔۔۔۔



کچھ اس وجہ سے بھی مشہور ہم زیادہ ہوئے۔۔۔۔۔
کہ صرف عیب ہی گنوائے گئے ہمارے

لہلاتی کھیتوں کو چیرتی ہوئی می یہ گاڑی۔۔۔۔۔ اس کچے کچے سڑک پہ رواں دواں تھی وہ بے
دھیانی سے گاڑی ڈرائیو کرتے ساتھ ہی فون پہ کسی سے بات کر رہا تھا

سپاٹ چہرہ لیے جیسے کسی کو ہدایت دے رہا تھا۔۔۔۔۔

”ہاں نگار بیگم کوٹھے پہ جو بھی طوائی فیں سب سے اچھا رقص کرتی ہیں بس انھیں بھیج دیجیئے۔۔۔۔۔“

وہ ایک ہاتھ اسٹیرنگ پہ رکھ کہ جیسے حکم دے رہا تھا

”بس آج کی شام کے لیے۔۔۔۔۔“

دور اس جھلملاتی روشنیوں سے مزین اس کوٹھے میں نگار بیگم اپنی ازلی شان و شوکت لیے۔۔۔۔۔ لبھانے والے انداز میں باتوں کا جواب دے رہی تھی۔۔۔۔۔

”ارے خان جی۔۔۔۔۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر ایسی لڑکیاں بھیجوں گی کہ زمین پہ رقص کہ ایسے جلوے بکھیرے گی۔۔۔۔۔ کہ سب لوگ عیش عیش کر اٹھیں گے۔۔۔۔۔“

وہ ایک ہاتھ سے فون درست کرتی منہ سے پان تھوکتے ہوئے چمک کر بولی۔۔۔۔۔

گاڑی چلاتے ہوئے اس نے بے زاری سے ان کے تعریفوں کے پل سنے تھے۔۔۔۔۔“؟

خود تو وہی ہونگے نا آپ رات میں-----؟

نگار بیگم نے تفتیشی لہجے میں پوچھا تھا-----

"نہیں میں کسی کام سے دوسرے گاؤں جا رہا ہوں آتے آتے رات ہو جائے گی آپ لڑکیوں کو بھیج دیجیئے گا----- میرے دوست وہی ہونگے-----"

وہی ازلی مغرور لہجہ-----

نگار بیگم نے برا سا منہ بنا کہ فون کو دیکھا-----

پھر مصنوعی خوشاد لہجے میں سموتے ہوئے رضا مندی کا اظہار کر ڈالا-----

"اب وہ جہاں آرا کو آوازیں دے رہی تھی-----"

جہاں آرا بوتل میں سے نکلے جن کی طرح حاضر ہوئی ی تھی۔۔۔۔

”جی نگار بیگم حکم کیجیے۔۔۔۔۔

ان کے سامنے چمکیلی ساڑھی ذیب تن کیے۔۔۔۔۔ دہلی پتلی ملبے بالوں والی تیکھے نقوش والی
عورت طابعداری سے کھڑی تھی۔۔۔۔۔

انہوں نے نخت سے اسے دیکھا تھا

لڑکیوں کو تیار کرو۔۔۔۔۔

رات کو خان جی کی حویلی میں رقص کے لیے جانا ہے

تیکھے لہجے میں کہتے ہوئے وہ رخ موڑ گئی۔۔۔۔۔

اور وہ سر ہلا کہ باہر نکل گئی۔۔۔۔

وہ ان کی ناراضگی سمجھتی تھی

لیکن جو وہ چاہتی تھی ایسا ہونا ناممکن تھا۔۔۔۔

ساری عمر کی خدمت کا انہیں یہ صلہ مل رہا تھا یہی سوچ کہ ان کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔۔۔۔

آنسو چھپاتی۔۔۔۔ اب وہ لڑکیوں کو ہدایت دے رہی تھی جو بہت طاعناری سے وہ سن رہی تھی

دور اس گاؤں میں اس لڑکے نے گاڑی کی سپیڈ بڑھا دی تھی۔۔۔۔



دیکھا نہ کسی نے بھی پلٹ کہ میری طرف

محسن میں بکھرے ہوئے شیشوں کی ردا تھا

چمچماتی آنکھوں کو خیرہ کرتی روشنیوں سے مزین اس کوٹھے میں تیاریاں اپنے عروج پہ
تھی۔۔۔۔۔ ساری لڑکیاں دل و جاں سے تیاریوں میں مشغول تھی۔۔۔۔۔ خان حویلی جانے کا
سب کے دل میں ارمان تھا۔۔۔۔۔

ایسے میں صرف وہ پلنگ پہ گھٹنوں کو باہم ملائے۔۔۔۔۔ گرد ہاتھوں کا دائی رہ
بنائے۔۔۔۔۔ تھوڑی ٹکائے منہ پھلا کہ بیٹھی تھی۔۔۔۔۔

شیشے کے سامنے کھڑی میک اپ کو آخری ٹچ دیتی جہاں آراء نے وہی شیشے میں اپنے پیچھے
بیٹھی زرباش کو ایک نظر دیکھا۔۔۔۔۔

پھر ایک ادا سے پیچھے مڑی۔۔۔۔۔

”کب تک ناراض رہنے کا اور بھوک ہڑتال کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں آپ زری۔۔۔۔۔“؟

وہ وہ بالوں کو سینے پہ پھیلائے۔۔۔۔۔ اس کے بالکل پاس پلنگ پہ بیٹھ گئی۔۔۔۔۔

"جب تک آپ ہماری بات نہیں مان لیتی ہیں --؟"

اس نے نروٹھے لہجے میں کہا----

"ضد مت کریں زرباش جو آپ چاہتی ہیں ویسا ممکن نہیں ہے۔۔۔"

انہوں نے سختی سے کہا تھا۔۔۔

"کیوں ممکن نہیں ہے اماں جان۔۔۔ ہم بھی انسان ہیں ہمارا بھی دل چاہتا ہے۔۔۔۔۔ کہیں جانے کو۔۔۔۔۔ ہمیں تو یہ بھی نہیں پتہ باہر کی دنیا کیسی ہے۔۔۔۔۔ بس کالے شیشوں والی گاڑی میں ہمیں سکول اور کالج بھیجا جاتا تھا اسی میں واپس لایا جاتا تھا آپ بتائیں ہم انسان نہیں ہیں کیا؟ ہمارا بھی دل چاہتا ہے کھلی فضا میں سانس لیں باہر کی دنیا دیکھیں اور کون سا اکیلا جانے کی ضد کر رہے ہیں آپ کے ساتھ جانا چاہتے ہیں۔۔۔"

وہ یاسیت سے کہتے ہوئے اب باقاعدہ ہچکیوں سے رونے لگی تھی

اسے اپنی ماں کی کمزوری پتہ تھی اور وہ یہی حربہ آزما رہی تھی۔۔۔۔۔

آج بھی اس کا تیر نشانہ پہ جا کے لگا تھا

وہ تڑپ اٹھی تھی۔۔۔۔

"اچھا آپ روئیے تو مت لے چلتے ہیں ہم آپ کو ساتھ۔۔۔۔"

وہ کمزور لہجے میں بولی۔۔۔۔

وہ یکدم خوش ہوئی

لیکن اگلے ہی جملے پہ اس کی خوشی معدوم ہوئی۔۔۔۔

"لیکن ہماری ایک شرط ہے۔۔۔۔"

”آپ گاڑی سے باہر نہیں نکلیں گی“

انہوں نے سختی سے تلقین کی

وہ آنسو پونچھتی خوشی سے ان سے لپٹ گئی۔۔۔۔۔

”آپ فکر نہ کریں جیسا کہیں گی ویسا ہی کروں گی۔۔۔۔۔“

وہ ان کا گال چومتی اٹھ کھڑی ہوئی

اور وہ ٹھیک سے مسکرا بھی نہ پائی

پتہ نہیں وہ اسے لے کہ کیوں اتنے خدشات کی شکار تھی۔۔۔۔۔

شاید وہ خوبصورت تھی

یا کوٹھے میں رہتی تھی۔۔۔۔۔؟

وہ سمجھ نہیں پارہی تھی۔۔۔۔۔



جس وقت وہ سب اس سبز و شاداب گاؤں میں پہنچے اس وقت شام کا ہلکا اندھیرہ پھیل رہا تھا گاڑی فراٹے بھرتے ہوئے آگے بڑھتی جا رہی تھی پردے سے جھلکتی دو خوبصورت آنکھیں للچائی ہوئی نظروں سے ہر چیز کو دیکھ رہی تھی

یہ گاڑی کا شیشہ نیچے کر کے باہر کے مناظر کو دیکھنے کا اس کا برسوں کا شوق پورا ہو رہا تھا وہ خوش کیوں نہ ہوتی۔۔۔۔۔

ساتھ بیٹھی جہاں آراء اسے دھیمی آواز میں ہدایات دے رہی تھی

اور نگار بیگم یہ سوچ سوچ کہ حیران ہو رہی تھی کہ جس لڑکی کو اس نے کبھی کمرے سے باہر نہیں نکالا آج کوٹھے سے باہر لے آئی وہ بھی خانوں کی حویلی میں۔۔۔۔۔

خیر سن گلاسز آنکھوں سے اتار کہ ڈیش بورڈ پہ رکھ کہ سر پیچھے کی طرف ٹکا کہ ذہن میں حساب
کتاب کرنے لگی۔۔۔۔۔

پیچھے بیٹھی زپاش اپنی ماں کی ہدایات کو سنی ان سنی کرتی باہر دیکھ رہی تھی۔۔۔۔۔



جس وقت ان کی گاڑی ڈیرے پہنچی رات کے سائے گہرے ہو چکے تھے۔۔۔۔۔ جہاں آراء
گاڑی سے اترتے وقت بھی عجلت میں اسے ہدایات دے رہی تھی اور وہ محض سر ہلا رہی
تھی۔۔۔۔۔

گاڑی کو حویلی سے بہت پیچھے کھڑا کیا گیا تھا تاکہ کوئی می زپاش کو دیکھ نہ پائے۔۔۔۔۔

جہاں آراء کا بس چلتا تو اسے اکیلا چھوڑ کے نہ جاتی۔۔۔۔۔

لیکن مجبوری تھی اندر سب کچھ اسی نے سنبھالنا تھا۔۔۔۔۔

"جہاں آراء اب چلیئے بھی-----اندر سب انتظار کر رہے ہونگے-----" زری بچی نہیں ہیں
خود کو سنبھال لیں گی

تیکھی نظروں سے زری کو دیکھ کہ جتاتے ہوئے کہتی آگے بڑھ گئی۔۔۔۔

جہاں آراء بھی منہ ڈھانپ کہ۔۔۔۔۔ جانے لگی پھر پلٹی

"زرباش۔۔۔۔۔ اگر مجھے دیر بھی ہو جائے تو آپ گاڑی سے باہر مت نکلیئے گا۔۔۔۔۔ چہرہ
ڈھانپ کہ رکھیئے گا۔۔۔۔۔" ٹھیک ہے اور اپنا بہت بہت خیال رکھیئے گا۔۔۔۔۔"

وہ اس کا ماتھا چوم کہ اب ڈرائیور کو ہدایات دے رہی تھی

اور زرباش کا دھیان کہیں اور تھا۔۔۔۔۔



میں سوچتا ہوں شہر کے پتھر سمیٹ کر

اور وہ کتنی دیر سے باہر بیٹھی ہو رہی تھی سوچ رہی تھی وہ نہ ہی آتی یہاں۔۔۔۔۔

یوں قید ہو کہ تو نہ بیٹھی ہوتی وہ تو گلاؤں گھومنے کی غرض سے آئی تھی اور اب وہ باہر گھومنا تو دور باہر بھی نہیں جاسکتی تھی

اسے اپنے نصیب پر جی بھر کہ رونا آیا تھا

بے دھیانی سے جیسے ہی رخ موڑا ڈرائیور کو فرنٹ سیٹ پہ اونگھتے پایا پھر سے باہر دیکھنے لگی۔۔۔۔

یکدم اس کی سنہری آنکھیں چمکنے لگی

پھر پٹی-----

ایک نظر دیکھا ہولے سے ہنسی-----

”اگر خدا موقع دے تو کون کافر ہے جو اس موقع کو جھٹلائے-----“

اور آرام سے دروازہ کھولا پلٹ کہ ایک نظر دیکھا وہ ابھی بھی سو رہا تھا اور ان کے واپس آنے کا امکان نظر نہیں آ رہا تھا موقع اچھا تھا-----

شام کے اس پہر یہ جگہ عجیب خوفناک سا منظر پیش کر رہی تھی لہلہاتے کھیت اندھیرے میں ڈوبے ہوئے دیکھائی دیتے تھے یہ مغرب سے ایک دو گھنٹے بعد کا وقت تھا ابھی-----چاند بھی نہیں نکلا تھا اکا دکا گھروں کے لیمپ روشن تھے

وہ کسی چیز کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے دوپٹے سے منہ چھپائے آگے بڑھتی جا رہی تھی

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائی یں۔۔۔۔۔ بہت عرصے بعد اس نے کھل کہ سانس لی تھی

وہ بہت اچھا محسوس کر رہی تھی۔۔۔۔۔

آج اسے اندھیرے سے خوف نہیں آ رہا تھا۔۔۔۔۔

اس خوشی میں وہ یہ بھی بھول گئی تھی کہ وہ گاڑی سے بہت آگے نکل آئی ہے۔۔۔۔۔

ہوش اسے تب آیا جب۔۔۔۔۔ وہ کسی چیز سے بری طرح ٹکرائی۔۔۔۔۔ اس کا پاؤں بری طرح
مڑا تھا اور شاید کسی چیز نے کاٹ بھی لیا تھا

اس کے منہ سے گھٹی گھٹی چیخ نکلی۔۔۔۔۔

اندھیرے میں وہ ٹھیک طرح سے سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ بیٹھی ہوئی کدھر ہے

سامنے سے آتے تیز رفتار گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں اسے پتہ چلا کہ وہ کچی سی سڑک
پر گری ہوئی ہے۔۔۔۔۔

اس نے دہشت کے مارے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا

پتہ نہیں کیوں اسے اپنی موت اتنے قریب نظر آئی۔۔۔۔۔



گزرا ہے شب کو دشت سے شاید وہ پردہ دار
ہر نقش پا کے ساتھ ردا کی لکیر تھی

”ارے شاہ ویز خان جی۔۔۔۔۔ وہاج خان ہمیں بلا کہ خود کہاں چلے گئے ہیں۔۔۔۔۔“؟

رانی نے پاؤں سے پائی لکھوٹے ہوئے تلاشتی نظروں سے وہاج کے ایک دوست سے پوچھا
تھا۔۔۔۔۔

رقص کے دوران اس کو نہ پا کر۔۔۔۔۔ اس کا سارا مزہ اور موڈ خراب ہو گیا تھا۔۔۔۔۔

”ارے رانی جی آپ کو تو اس کا پتہ ہے نا کہاں کسی کی بات سنتا ہے کہہ رہا تھا جلدی آجاؤں گا دیکھیئے نا گھڑی سات کا ہندسہ عبور کر گئی اور وہ ابھی تک نہیں پہنچے۔۔۔۔۔“

اس نے مدہوش لہجے میں جواب دیا

رانی نے مصنوعی مسکراہٹ چہرے پہ سجا کہ محض سر ہلا دیا تھا۔۔۔۔۔

”اور آپ کبھی ہم پہ بھی نظریں کرم کر دیا کریں مانا وہاں جیسے خوبو نا سہی لیکن کم ہم بھی نہیں ہیں۔۔۔۔۔“

اس کی لمبی سیاہ زلفوں میں چہرہ چھپائے وہ حوس بھری نظروں سے اس کے سراپے کو گھور رہا تھا

اور وہ جیسے کسی پتھر کے مجسمے کی طرح بیٹھی تھی

اور دور بیٹھی جہاں آراء دکھ سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔۔۔۔

انہیں اپنی بیٹی کی فکر کھائے جارہی تھی۔۔۔۔

اور نگار بیگم رقص کرتی لڑکی پہ پیسوں کی بارش ہوتے دیکھ کہ پھولے ناسما رہی تھی

پیسہ اتنا قیمتی تھا کہ اس کے سامنے کسی کا جسم کسی کے احساسات سستے تھے۔۔۔۔

"اسی وقت دور اس کچی سڑک پہ اس کے بالکل قریب آہ کسی نے بریک ماری تھی

ٹائیروں کی چہرہ ہٹ کی آواز سے اس نے سر اٹھایا تھا

گاڑی کا دروازہ کھلا تھا اور کوئی می باہر نکلا تھا

وہ مدہم روشنی میں یہ تو سمجھ گئی تھی کہ سامنے کوئی مرد ہے لیکن کتنی عمر کا ہے یہ
اندازہ لگانا مشکل تھا۔۔۔۔۔

گاڑی کی ہیڈ لائی ٹس آن تھی

جب وہ قریب آیا تو وہ اس کا چہرہ واضح ہوا

چہرہ پہ غصہ واضح تھا

"محترمہ۔۔۔۔۔ آپ کو مرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو۔۔۔۔۔ کسی کنویں میں چھلانگ لگا دیں
یوں راستے میں نہ بیٹھیں ابھی آپ کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا

سر جھکا کہ بیٹھی اس لڑکی کو دیکھ کہ وہ روکے لہجے میں بولا

تو وہ ہچکیوں سے رونے لگی وہ سر ابھی تک جھکا رکھا تھا

”اب نیا ڈرامہ شروع -----“

کون ہیں آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں ---“؟

وہ اسے روتا دیکھ کہ ذرا نرم پڑ گیا

وہ خاموش رہی

اسے خاموش دیکھ کہ وہ چڑ گیا

اس لیے اس بار ذرا اکتائے ہوئے لہجے میں کہا

”محترمہ آپ مجھے بتائی ہیں آپ کون ہیں ورنہ راستے سے ہٹ جائی ہیں ---“

اسی لمحے اس نے سر اٹھایا تھا وہ اسے دیکھ کہ مہوت رہ گیا تھا

گول چہرہ سفید رنگت----- بڑی بڑی سنہری آنکھیں تیکھی ناک عنابی ہونٹ----- پاؤں کو چھوتا
کالے رنگ کا فراک----- اس کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہا تھا دوپٹہ البتہ سر پہ ٹکا رکھا تھا
چہرے پہ آنسوؤں کے نشان تھے اور کاجل گال پہ بہہ گیا تھا

وہ وہی کھڑا یہ سوچ رہا تھا کوئی اتنا خوبصورت کیسے ہو سکتا ہے

اسی لمحے اس کے دل میں اس معصوم لڑکی کے لیے ہمدردی جاگی-----

وہ اپنے سفید لباس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کے قریب بیٹھا-----

اس نے چونک کر اسے دیکھا-----

”کیا ہوا۔۔۔۔؟“

اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پیار سے پوچھا-----

تو وہ ایک دفعہ پھر رونے لگی

"ہم اپنے گھر کا راستہ بھول گئے ہیں۔۔۔۔ اور ہمارا پاؤں بھی زخمی ہو گیا ہے۔۔۔۔۔ شاید کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے ہمیں بہت ڈر لگ رہا ہے۔۔۔۔۔"

وہ پھر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کہ رونے لگی

دیکھائی دینے اپنا پاؤں۔۔۔۔۔؟

ہیڈ لائٹس کی مدہم روشنی میں اس نے دیکھا اس کے پاؤں میں کانٹا چبھا ہوا تھا

اس نے اس کا پاؤں اپنی گود میں رکھا

اس محلے کوئی می اسے دیکھ لیتا تو ہر گز یقین نہ کرتا کہ یہ وہی مغرور انسان ہے

اسے خود یقین نہیں آ رہا تھا وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔۔۔۔۔

پاؤں سے کانٹا نکالا تو اس نے ہاتھ پکڑ کہ اسے روکنا چاہا۔۔۔۔۔

"درد ہو گا مجھے اس نے معصومیت سے کہا

تو وہ دھیرے سے مسکرایا

"نہیں ہو گا"

ساتھ ہی اس کے نازک پاؤں سے کانٹا نکالا۔۔۔۔۔

وہ ہلکا سا سسکی۔۔۔۔۔

پھر جیب میں سے رومال نکال کہ اس کے پاؤں پر باندھا۔۔۔۔۔

اور اٹھ کھڑا ہوا

آئی میں آپ کو گھر چھوڑ دوں۔۔۔۔

"کچھ تو یاد ہو گا آپ کو؟"

اس نے ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا

پہلے وہ ہچکچائی می پھر اس کا ہاتھ تھام کہ اٹھ کھڑی ہوئی می

اس نے دروازہ کھول کہ اسے بیٹھایا۔۔۔۔۔

اور خود ڈرائی یونگ سیٹ سنبھال لی

اب وہ گاڑی چلا رہا تھا

اور وہ اپنی انگلیاں مڑوڑ رہی تھی

ڈرائی یور جاگ گیا ہو گا اماں جان کو بھی پتہ چل گیا ہوگا

وہ ذہن میں سوچے جارہی تھی۔۔۔۔

کوئی می نشانی بتائیے گھر کی یا والد کا نام

وہ سنجیگی سے ونڈ اسکرین کے باہر دیکھتے ہوئے بولا تو وہ چونکی

"جی میں کسی کے گھر مہمان آئی می ہوں۔۔۔۔۔ جو وہاج خان کا ڈیرہ ہے نا۔۔۔۔۔" اس کے قریب ہی گھر ہے۔۔۔۔۔"

اس نے نا سمجھی میں بوٹے ہوئے جیسے ہی اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا رہا تھا

وہ اس کی اس مسکراہٹ کا مطلب نہ سمجھ پائی می۔۔۔۔۔

اوہ اچھا۔۔۔۔۔"

اس نے بھی زیادہ بحث نہ کی

شنا سا جگہ کو دیکھ کر وہ چمکی۔۔۔۔۔

بس یہی روک دیجیئے۔۔۔۔۔

"یہاں ہے آپ کا گھر؟"

اس نے سر باہر نکال کہ ایک دو گھروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔

"آئی میں۔۔۔۔۔ آپ کو چھوڑ دوں۔۔۔۔۔؟"

وہ ڈرائی یونگ سیٹ سے اترنے لگا

”نہیں میں خود چلی جاؤں گی۔۔۔۔۔“ چاچا پتہ نہیں کیا سمجھیں بہت شکریہ آپ کا۔۔۔“

وہ تیزی سے شکریہ ادا کر کے اترنے لگی

جب اس نے اسے پکارا

”آپ کا نام۔۔۔۔۔؟“

مسکراتے ہوئے سوال کیا گیا تھا

اور وہ سوچ رہی تھی سچ بولے یا جھوٹ۔۔۔۔۔؟

زرباش۔۔۔۔۔“

جلدی سے کہہ کہ دوپٹہ درست کرتی لڑکھڑاتے قدموں سے وہ آگے بڑھ کہ اندھیرے میں وہ

غائب ہو گئی۔۔۔۔۔

وہاج کی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا

اسی لمحے اس کی نظر اپنی گاڑی میں گرمی پائی ل پر پڑی

وہ یقیناً زرباش کی تھی

اٹھا کہ ایک نظر پائی ل کو دیکھا۔۔۔۔۔ اور مسکرا دیا۔۔۔۔۔

ابھی پچھلے دنوں جو ہم پر گزری

اسی رت کا نشہ طاری ہے اب تک۔۔۔۔۔

شام کے اس گہرے کالے سیاہ اندھیرے میں جب اس جگہ پہ محض جنگلی جانوروں کی
غراہٹ تھی۔۔۔۔۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی جیسے ہی گاڑی کے پاس پہنچی اس کے اوسان خطا ہو
گئے۔۔۔۔۔

گاڑی کے بالکل پاس ٹیک لگائے لاپرواہی سے پان کھاتی نگار بیگم کھڑی تھی

اور پاس ہی اس کی ماں کھڑی رو رہی تھی۔۔۔۔۔

اور ساتھ ہی ڈرائی پور سر جھکا کہ کھڑا تھا

وہ تقریباً لڑکھڑاتے ہوئے ہی تیز قدم اٹھاتی۔۔۔۔۔ ان کی طرف لپکی

اس کی آواز سن کے جہاں آراء پیچھے پلٹی۔۔۔۔۔ تو وہ ان کے گلے لگ گئی۔۔۔۔۔

”اماں جان ہمیں معاف کر دیں۔۔۔۔۔ ہم سے بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے اماں
جان۔۔۔۔۔“

وہ اب باقاعدہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔۔۔۔۔

اور وہ اس کے سر پہ ہاتھ پھیر رہی تھی

”آپ گئی کہاں تھی۔۔۔۔۔ زرباش۔۔۔۔۔“؟

انہوں نے فکر مندی سے پوچھا۔۔۔۔۔

”اماں جان ہم آپ کو گھر پہنچ کے سب بتا دیں گے۔۔۔۔۔“

ابھی آپ ہمیں یہاں سے لے چلیں۔۔۔۔۔

اس نے ان سے الگ ہو کے آنسو پونچتے ہوئے کہا

”ہاں ہاں چلو گاڑی میں بیٹھو باقی تفتیش گھر میں جا کے کر لینا دیر ہو رہی ہے۔۔۔۔۔“

انہوں نے منہ سے پان تھوک کہ تالی بجاتے ہوئے کہا

تو باہر کھڑی سب طوائی فیں اپنے پردے دست کرتی۔۔۔۔۔ گاڑی میں بیٹھ گئی۔۔۔۔۔

جہاں آراء نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر وہ بھی گاڑی میں بیٹھ گئی۔۔۔۔۔

زرباش نے پلٹ کر اس اونچی حویلی کو دیکھا جیسے ہی باہر کھڑی گاڑی کو دیکھا وہ ٹھٹکی

۔۔۔۔۔

”زرباش آپ نے رات یہی گزاری ہے کیا۔۔۔۔۔“

”نگار بیکم نے شیشے سے باہر جھانک کہ اسے متوجہ کیا۔۔۔۔۔“

”نہیں میں تو وہ بس۔۔۔۔۔؟“

اس سے بات نہیں بن پارہی تھی۔۔۔۔۔

”حویلی کو مت دیکھیے یہ آپ جیسی لاوارث کوٹھوں پہ پلنے والیوں کے لیے نہیں ہوتی۔۔۔۔۔“ کوٹھے پہ جو رہتی ہے وہ رقص کرے یا نہ کرے رہتی وہ طوائف ہی ہے بیوی نہیں بنتی۔۔۔۔۔“

انہوں نے جیسے زرباش کا مذاق اڑایا تھا

زرباش نے تڑپ کہ اپنی ماں کو دیکھا تھا

جو سر جھکائے بیٹھی تھی

وہ جانتی تھی ----- ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ چپ ہی رہے گی

اسی لیے خاموشی سے دروازہ کھول کہ بیٹھ گئی -----

اور گاڑی تیز سپیڈ سے آگے بڑھ گئی -----

بیچھے خان حویلی ویران سنسان سی رات کے اس پہر اندھیرے میں ڈوب چکی تھی -----



وہی راتوں کی بیداری ہے اب تک

تمنا کا سفر جاری ہے اب تک----

گناہوں کی سیاہی میں ڈوبا یہ کوٹھارات کے اس پہر صبح معنوں میں اندھیرے میں ڈوبا
تمھا-----

رات کی سیاہی نے گناہوں کی سیاہی پر پردہ ڈال دیا تھا

وہ پلنگ کہ ساتھ ٹیک لگا کہ بیٹھی تھی

پاس ہی جہاں آراء عشاء کی نماز پڑھ رہی تھی-----

وہ چھت کو گھور رہی تھی

انہوں نے نماز ختم کی جائے نماز تہ کی----- اور اس کے قریب بیٹھ گئی-----

اس کے لمبے سیاہ بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی-----

اس نے چپ چاپ سر ان کی گود میں ٹکا دیا۔۔۔۔۔

"اماں جان۔۔۔۔۔ نگار بیگم کہتی ہیں تمہاری ماں کیوں نماز پڑھتی ہے۔۔۔۔۔ اللہ کو ہم جیسیوں کی نماز سے بھلا کیا مطلب۔۔۔۔۔؟"

اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں پوچھا۔۔۔۔۔

"میری جان۔۔۔۔۔ تم ان کو کہتی جو اللہ عام انسانوں کا ہوتا ہے وہی طوائفوں کا بھی ہوتا ہے۔۔۔۔۔" اللہ اچھے برے انسانوں کی تفریق نہیں کرتا۔۔۔۔۔ اس کے لیے صرف اسکا بندہ ہوتا ہے اچھا برا نہیں ہوتا۔۔۔۔۔" اور ہم دنیا کی نظر میں طوائف ہیں اللہ کی نظر میں نہیں۔۔۔۔۔ "یہ تو ہم انسان جھمنٹل ہوتے ہیں اللہ اعمال دیکھتا ہے جج نہیں کرتا۔۔۔۔۔"

انہوں نے اسے پیار سے سمجھایا۔۔۔۔۔

پھر ایک نظر اس کے بندھے ہوئے پیر کو دیکھا

"اور ہم سے وعدہ کریں زریاں جو حرکت آپ نے آج کی وہ آپ آئی زندہ نہیں کریں گی ہمارے سر کی قسم کھا کہ کہیئے۔۔۔۔۔۔"

وہ جذباتی ہو گئی تھی۔۔۔۔۔

”اماں جان ہم آپ کے سر کی قسم کھا کے کہتے ہیں ہم دوبارہ ایسی حرکت نہیں کریں گے۔۔۔۔۔“

اس نے ان کے سر پہ ہاتھ رکھ کے کہا

تو ان کے چہرے پہ اطمینان نظر آیا۔۔۔۔۔

"یہ تو اچھا ہوا آپ کو کوئی می نیک بندہ مل گیا۔۔۔۔۔۔ ہم ان کے شکر گزار ہیں ورنہ اگر کچھ غلط ہو جاتا تو سوچ کہ ہی روح کانپ جاتی ہے۔۔۔۔۔۔"

وہ اب اٹھ کہ بستر ٹھیک کر رہی تھی

اس نے بے دھیانی سے سنا۔۔۔۔۔۔

"کیا آپ نے انہیں سچ بتا دیا تھا۔۔۔۔۔۔؟"

یکدم انہیں یاد آیا تو پلٹ کے رازداری سے پوچھا گیا تھا

"نہیں ہم نے جھوٹ بولا۔۔۔۔۔۔"

کہ ہم یہاں مہمان آئی ہیں۔۔۔۔۔۔"

اس نے لاپرواہی سے بتایا اور سونے کے لیے لیٹ گئی۔۔۔۔۔۔

جہاں آراء بس اسے دیکھ کہ رہ گئی۔۔۔۔۔

وہ ننھی سے ان کی گریبا کب اتنی بڑی ہو گئی تھی

ان کی آنکھوں کے گوشے نم ہونے لگی

ٹھیک ہے زپاش کو انہوں نے جنم نہیں دیا تھا لیکن پالا تو خود انہوں نے ہی تھا

اور اب ہر وقت انہیں زپاش کی ہی فکر ستاتی تھی

کہ خدا نخواستہ اگر انہیں کچھ ہو گیا تو نگار بیگم اس کو بھی دھندے پہ لگا دیں گی۔۔۔۔۔

ان سوچوں کی وجہ سے آج کی رات بھی وہ سو نہیں پارہی تھی۔۔۔۔۔



لوگوں کے لیے صاحب کردار بھی میں تھا

صبح کی کرنوں نے اس حویلی کو اپنے حصار میں لینا شروع کر دیا تھا کچن سے ناشتے کی خوشبو آرہی تھی

سامنے صوفے پہ میر داد خان اپنے دونوں بیٹوں شہباز خان اور رجب خان کے ہمراہ کسی خاص معاملے پہ بات کر رہی تھے۔۔۔۔

یہاں سے ہوتے ہوئے جاؤ تو اوپر والے حصے میں وہ اپنے کمرے میں بکھرے سے تویلے میں پریشان سے بیٹھا تھا

سامنے ایک چھوٹی عمر کا ملازم کھڑا تھا

"چھوٹے خان ----- جی میں نے اس جگہ کے اردگرد ہر ایک مکان سے پوچھا وہاں اس نام کی کوئی لڑکی نارہتی ہے اور نہ کسی کے گھر مہمان آئی تھی ----- اور نہ اس پائیل کی دوسری جوڑی ہے کسی لڑکی کے پاس -----"

اس ملازم نے دس دفعہ کی کہی بات دوبارہ دہرا دی-----

ہوں ٹھیک ہے تم جاؤ-----

ہاتھ کے اشارے سے اسے کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا

یہ لڑکی اس کے لیے درد سر بن گئی تھی

اسے خود نہیں پتہ تھا وہ کیوں اسے ڈھونڈ رہا ہے

دس دنوں سے نوکروں کو پورے گاؤں کی دوڑیں لگوائی تھی خود بھی دس دفعہ اس جگہ گیا
تھا لیکن اس نے نہیں ملنا تھا وہ نہیں ملی تھی-----

اب وہ مایوس ہونے لگا تھا

تیزی سے تیار ہو کہ وہ سیڑھیاں اتر کے جیسے ہی نیچے اتر۔۔۔۔

سامنے بڑے صوفے پہ بیٹھے اپنے باپ رجب خان کو بیٹھا دیکھ کہ طاعناری سے ان کی طرف
بڑھا۔۔۔۔۔

ان کی گردن کچھ اور اکڑ گئی۔۔۔۔۔

شہباز خان نے ایک نظر۔۔۔۔۔ میر داد خان کو دیکھا ان کے چہرے پہ بھی فخر تھا

پھر سر جھکا لیا۔۔۔۔۔

”کہاں جا رہے ہیں۔۔۔۔۔؟“

انہوں نے وہی کھڑے کھڑے پوچھا۔۔۔۔۔

”سوچا کہ ایک چکر یتیم خانے کا لگاؤں کچھ چیزیں تقسیم کر آؤں۔۔۔۔۔“

وہ ابھی تک سر جھکائے کھڑا تھا

رجب خان نے ایک جتنائی ہوئی ی نظر اپنے بھائی ی پر ڈالی-----

جیسے کہہ رہے ہو

دیکھو یہ میرا بیٹا ہے-----

پھر اسے ماتھے پہ پیار کیا-----

میر داد خان کی مسکراہٹ معدوم ہوئی ی

اس گھر میں وہاں جہان کو ایک ہی شخص ٹھیک سے جانتا تھا اور اس کے سارے گناہوں پہ
پردہ بھی ڈالتا تھا وہ تھے میر داد خان

باقی سب کے لیے وہ ایک آئیڈیل تھا

”ٹھیک ہیں جائیں آپ۔۔۔۔۔“

وہ اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے دوبارہ بیٹھ گئے۔۔۔۔۔

اور وہ تیزی سے باہر نکل گیا

جیپ سٹارٹ کی اب اس کا رخ کوٹھے کی جانب تھا

اندر بیٹھے افراد ابھی ابھی اس کے گن گارہے تھے۔۔۔۔۔



وہ جانتا ہے کہ کچھ روز وہ نہیں تھا تو میں

پکارتا رہا اس کو ادھر ادھر کیسے؟

جھلملاتی روشنیوں سے مزین۔۔۔۔۔ اس کوٹھے میں جہاں اس پہر پریاں اترتی تھی خوب چمکل
پہل تھی۔۔۔۔

باہر گاڑیوں کی ایک لمبی قطار تھی۔۔۔۔۔

لیکن اندر بیٹھی نگار بیگم فون پہ کسی کو ہدایات دے رہی تھی

بجلی آج بہت مسئی لہ کر رہی ہے آپ فوراً آجائیے جرنیٹر سیٹ کر
دیں۔۔۔۔۔ تاکہ۔۔۔۔۔ ہمارے مہمانوں کو کوئی می دکت نہ ہو۔۔۔۔۔

ساتھ ہی کمرے سے چمکیلی ساڑھی پہن کے نکلتی۔۔۔۔۔ جہاں آراء پلٹ پلٹ کے زرباش کو
ہدایات دے رہی تھی

"اگر پورا کوٹھا بھی تاریکی سے بھر جائے تب بھی ہم آپ کو باہر نکلنے کی ہدایت نہیں
دیتے۔۔۔۔۔"

نیچے پارکنگ میں جیپ آ کے کی تھی

کالے رنگ کی شلوار قمیض اوپر واسکوٹ پہنے وہ اپنی ازلی شان و شوکت کے ساتھ گاڑی سے
باہر نکلا تھا۔۔۔۔

اب وہ سرڑھیاں چڑھ رہا تھا

”اندر زرباش برا سامنہ بنا کے بیٹھی تھی۔۔۔۔

اس دفعہ آپ نے کوئی می گڑ بڑ کی نا۔۔۔۔۔ تو ہم سے برا کوئی می نہیں ہو گا۔۔۔۔۔ ہم چکر
لگاتے رہیں گے۔۔۔۔۔

وہ کہہ کے باہر جا چکی تھی۔۔۔۔

وہ سرڑھیاں عبور کر کے جیسا ہی اوپر پہنچا۔۔۔۔

اس کا رخ نگار بیگم کے کمرے کی جانب تھا

پورا کوٹھا اندھیرے میں ڈوب گیا

اندر کمرے میں بیٹھی زرباش نے اٹھ کے لیمپ جلانے کی کوشش کی لیکن لیمپ کا تیل ختم ہو گیا تھا

اس نے اندھیرے میں ہی ماچس اٹھائی ی جلائی ی اور اس کی روشنی میں موم بتی ڈھونڈی۔۔۔۔۔

اسی لمحے دروازہ کھلا اور کوئی ی اندر داخل ہوا تھا۔۔۔۔۔



جس کی یادوں سے خیالوں کے خزانے دیکھے
اس کی صورت بھی آج لگی فقیروں جیسی

اندھیرے میں اسے پتہ نہیں چلا اور وہ نگار بیگم کے کمرے کے بجائے۔۔۔۔۔ شاید کسی اور
کے کمرے میں آگیا تھا

اندر موجود لڑکی کے ہاتھ میں جلتی مپس کی مدہم روشنی میں وہ موم بتی جلاتی۔۔۔۔۔ لڑکی کی پیٹھ
ہی دیکھ سکتا تھا۔۔۔۔۔

”اماں جان دیکھیئے نالیمپ کا تیل ختم ہو گیا ہے اور بجلی بھی دیکھیئے آج ہی جانی تھی۔۔۔۔۔“

وہ اکتاہٹ بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی

وہ سمجھی تھی شاید اس کی ماں ہے۔۔۔۔۔

اور یہ آواز وہ کیسے بھول سکتا تھا

جسے وہ پچھلے دس دنوں سے ڈھونڈ رہا تھا وہ یہاں کوٹھے پہ اسے لے گی وہ سوچ بھی نہیں سکتا
تھا

اس سے پہلے کہ وہ پلٹ کہ باہر نکل جاتا

وہ ہاتھ میں موم بتی پکڑے پٹی

مدہم روشنی میں دونوں کے چہرے واضح ہوئے-----

خوف کے مارے اس کے ہاتھ میں پکڑی موم بتی گر کر بجھ گئی-----

کمرہ ایک دفعہ پھر-----اندھیرے میں ڈوب گیا تھا-----

اسے سمجھ نہیں آرہی تھی وہ خود یہاں سے بھاگے یا اسے جانے کے لیے کہے وہ اس کے کسی سوال کا جواب نہیں دینا چاہتی تھی-----

وہ خود باہر جانے کے لیے آگے بڑھی یکدم کسی چیز سے ٹکرائی اس سے پہلے کہ وہ گرتی کسی نے اسے بازو سے تھام لیا تھا

وہ اس کے علاوہ اور ہو بھی کون سکتا تھا۔۔۔۔۔

"آپ کو دس دنوں سے ڈھونڈ رہا تھا آپ کی ایک امانت رہ گئی تھی میرے پاس کہ آپ کو لٹا
دوں۔۔۔۔۔ مجھے بالکل بھی امید نہیں تھی کہ آپ مجھے کوٹھے کی طوائف کہ روپ میں ملیں
گی۔۔۔۔۔"

اس نے جتاتے ہوئے لہجے میں کہتے ہوئے اسے چھوڑ دیا تھا

اور جا چکا تھا

اس کے جملوں کی گونج اسے ابھی بھی سنائی دے رہی تھی۔۔۔۔۔

وہ چیخ چیخ کہ کہنا چاہتی تھی کہ وہ طوائف نہیں ہے لیکن اب یہاں سننے والا کوئی نہیں
تھا۔۔۔۔۔



منزل پہ جو پہنچا ہوں تو معلوم ہوا ہے
خود اپنے لیے راہ کی دیوار بھی میں تھا۔۔۔۔

وہ تیزی سے باہر نکلا تو سامنے سے آتی رانی سے ٹکرا گیا۔۔۔۔۔

رانی جیسے اسی موقع کی تلاش میں تھی۔۔۔۔۔

جلدی سے اس کا راستہ روک دیا

اس نے ایک تپی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی۔۔۔۔۔

"خان جی۔۔۔۔۔ کبھی ادھر بھی نگاہیں کر دیا کریں۔۔۔۔۔"

نیم برسہ لباس پہنے ڈارک میک آپ میں وہ قیامت ڈھا رہی تھی

۔۔۔۔۔

"حد میں رہو اپنی-----"

وہ غصے میں کہتا جان چھڑا کے جانے لگا-----

"آپ کچھ وقت گزاریں گے تو آپ کو بھی دل لگی ہو جائے گی-----"

اس نے گرمبان سے پکڑ کے اسے نزدیک کرنا چاہا

وہ دو قدم پیچھے ہو گیا-----

"میری جان تم بہت خوبصورت سی لیکن ہو تو طوائف ہی تمہارے ساتھ دل بہلایا جاسکتا ہے
دل لگایا نہیں جاسکتا-----"

اسے ایک جھٹکے سے دھکا دے کے وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا تھا-----

"تو جسے وہ دس دنوں سے ڈھونڈ رہا تھا وہ طوائف تھی-----؟"

”تو کیا اس دفعہ وہاج خان۔۔۔۔۔ ایک طوائف کی چاہت کر بیٹھے ہیں۔۔۔۔۔“

وہ دل بہلانا چاہتا تھا لیکن وہ دل لگا بیٹھا تھا

وہ ماننے سے انکاری تھا۔۔۔۔۔



جی تو ریڈرز۔۔۔۔۔ آپ سب کمنٹس پہ لکھ رہے تھے۔۔۔۔۔ کہ آپ لیٹ دیتی ہیں۔۔۔۔۔ جلدی
دیں آپ کو اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں۔۔۔۔۔ اتنے کمنٹس دیئے آپ لوگوں نے۔۔۔۔۔ تو
کیا آپ لوگوں کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہے۔۔۔۔۔ اگر ہم دو گھنٹے میں بغیر کسی معاوضے
کے قسط لکھتے ہیں تو آپ کیا تین منٹ کا رویو نہیں دے سکتے۔۔۔۔۔ ”ایک لائی ک نہیں
کر سکتے۔۔۔۔۔“؟

جیسے ملازم کو تنخواہ ملتی ہے تو وہ محنت سے کام کرتا ہے ایسے ہی جب رویو اچھا ملتا ہے تو ہمارا بھی دل جلدی لکھنے کو کرتا ہے۔۔۔۔۔۔ میں روز ایک قسط دے دیا کروں گی آپ رویو اچھا رکھیں گے تو۔۔۔۔۔۔

آج گم سم ہے جو برباد جزیروں جیسی
اس کی آنکھوں میں چمک تھی کبھی ہیروں جیسی

رات کا گہرا سایہ کسی آسیب کی طرح اس روشنیوں سے جھلملاتے کوٹھے کو اپنی لپیٹ میں
لے رہا تھا۔۔۔۔۔۔ درختوں کو چھوتی ہوئی ہلکی ہلکی ہوا درختوں کو چیر کے آگے گزر جاتی
تھی۔۔۔۔۔۔ کچھ پتے لرز کے زمین بوس ہو جاتے تھے۔۔۔۔۔۔ اندر کوٹھے میں پریوں کا رقص
اختتام پزیر ہوا تھا۔۔۔۔۔۔ زمین پہ بیٹھی رانی پاؤں سے گھنگھرو اتار رہی تھی

پاس کھڑی نگار بیگم سر جھکا کے کھڑی جہاں آراء کو ہدایات دے رہی تھی۔۔۔۔۔۔

وہاں سے دائی میں ہاتھ کو جاؤ تو اس چھوٹے سے بچے ہوئے پلنگ پہ وہ گھٹنوں میں سر دے
کے بیٹھی رو رہی تھی

پاس ایک تصویر پڑی تھی آنسو اس تصویر پہ گر رہے تھے

وہ شکوہ کرنا چاہتی تھی لیکن یہاں شکوہ سننے والا کوئی ہی نہیں تھا

دور ٹائیروں کی چرچراہٹ نے خاموشی کو توڑا تھا

وہ تیزی سے جیب سے نکلا تھا اور حویلی کے اندر داخل ہوا چہرہ سپاٹ تھا لیکن آنکھوں میں
وحشت تھی۔۔۔۔

اندر حویلی میں ڈائی‌ینگ ٹیبل پہ بیٹھے سب لوگ کھانا کھانے میں مصروف تھے

وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا

"آؤ وہاںج کھانا کھا لو۔۔۔۔۔"

رجب خان نے پلٹ کر خوشدلی سے اسے کہا تھا

وہ ایک نظر سب کو دیکھ کے کچھ بھی کہے بغیر چلا گیا تھا۔۔۔۔

سب نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا

ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ اس نے رجب خان کا کوئی حکم نہ مانا ہو۔۔۔۔۔

"شاید اس کی طبیعت خراب ہے۔۔۔۔"

رجب خان نے خود سے ہی اندازہ لگا کے۔۔۔۔۔ سب کو مطمئن کرنا چاہا۔۔۔۔۔

وہ اوپر کمرے کا دروازہ بند کر کے سارے کمرے کا نقشہ تبدیل کر چکا تھا

دور دروازہ کھول کے جہاں آراء جیسے ہی اندر آئی می چونک گئی۔۔۔۔۔

پلنگ پہ زرباش بیٹھی رو رہی تھی

آنکھیں متورم اور پپوٹے سو جے ہوئے تھے بال بکھرے ہوئے تھے

وہ تڑپ کے اس کی طرف گئی۔۔۔۔۔

”کیا ہوا آپ کو زری آپ رو کیوں رہی ہیں۔۔۔۔۔؟“

وہ اپنی ماں کو قریب پا کے لپٹ کے رو پڑی

اس کی ہچکی بندھ گئی۔۔۔۔۔

جہاں آراء اور زیادہ پریشان ہو گئی تھی۔۔۔۔

”آپ ہمیں کچھ بتا کیوں نہیں رہی زری سب ٹھیک ہے نا۔۔۔۔۔“؟

وہ بے چینی سے پوچھ رہی تھی۔۔۔۔

”اماں جان۔۔۔۔۔ ہم کوٹھے میں کیوں ہیں ہم رقص نہیں کرتے اماں جان پھر کیوں ہمیں
بھی طوائف سمجھا جاتا ہے

وہ انہی سے لپٹ کے روتے ہوئے بتا رہی تھی

”اور اماں جان یہ انسان۔۔۔۔۔ کیوں ہمیں سرک کنارے لاوارث جھولے میں چھوڑ گیا۔۔۔۔۔

اور ساتھ یہ تصویر بھی چھوڑ گیا کہ ہم اپنے ماضی کو لے کے تڑپتے رہیں۔۔۔۔۔ جب پرانے
رشتے توڑ گیا تھا تو کیوں یہ تصویر چھوڑ گیا

اس نے تصویر اچھالی

جہاں آراء بھی بے آواز رو رہی تھی

آج اس کے پاس تسلی کے لیے الفاظ نہیں تھے-----

بڑی حویلی میں----- وہ رات کے اس پہر اندھیرہ کر کے بیٹھے تھے

سگریٹ سے نکلتے دھوئیں کے مرغولے عجیب و غریب اشکال بناتے ہوئے کمرے میں محو رقص تھے

اور ان کی سوچوں کا محور ان کا ماضی تھا

کہتے ہیں کسی کے ساتھ کیا گیا ظلم بھی آسیب کی طرح ہوتا ہے جتنا آپ اس سے پیچھا چھڑاتے ہیں اتنا وہ آپ کو اپنے شکنجے میں لیتا ہے

ان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا تھا

ذنگی کے جتنے سال-----وہ اس کے بھول گئے تھے

مہرالنساء کو تو یہی لگتا تھا

لیکن وہ اسے کبھی نہیں بھولے تھے

اولاد کہاں اتنی جلدی بھولائی می جاسکتی ہے

اسی سوچ نے انہیں ایک دفعہ پھر احساس جرم کا شکار کر دیا تھا

ماضی کے کچھ مٹے پھر سے دیتوں پہ دستک دینے گئے تھے

جس سرد شام میں وہ اس ننھی بچی کو گود میں بھر کے کھڑے مہرالنساء سے رحم کی درخواست کر رہے تھے

کبھی نہ بولنے والی مہرالنساء آج بول رہی تھی

اور وہ سن رہے تھے

شہباز خان----- میں نے آپ کا ہر ایک ستم برداشت کیا۔۔۔۔۔ لیکن بس اب میری برداشت جواب دے گئی ہے۔۔۔۔۔ اس سے زیادہ مجھ سے امید مت رکھیے گا۔۔۔۔۔

میں اس بچی کو قبول نہیں کر سکتی جو آپ کی محبت کی آخری نشانی ہے۔۔۔۔۔

انہوں نے آنسو پیتے ہوئے جھولے میں پڑی۔۔۔۔۔ اس چھوٹی سی خوبصورت سی بچی کو دیکھا۔۔۔۔۔

جو بھوک کے مارے بلک بلک کے رو رہی تھی۔۔۔۔۔

مہر النساء میں اس کو کدھر لے کے جاؤں اس کا کوئی می بھی نہیں رہا اس دنیا میں-----

انہوں نے لب کچلتے ہوئے بے بسی سے کہا-----

”میں نہیں جانتی----- یہ بات میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ یہ بچی آپ کا وہ ستم ہے----- جس ستم نے میری ذات کی دھجیاں بکھیر دی-----“

مجھے تو یہ تک نہیں معلوم یہ بچی آپ کی جائز اولاد ہے بھی یا نہیں-----

وہ غصے کی انتہا پر تھی

اور تبھی----- شہباز خان پلٹے ان کا ہاتھ اٹھنے والا تھا لیکن ضبط کر گئے-----

”میں کچھ نہیں جانتی شہباز خان----- آپ کو کسی ایک کو چننا ہو گا یا مجھے اور اپنی بچیوں

کو----- یا اس کو-----“

اور اگر آپ اسے نالے کے گئے نا۔۔۔۔۔ تو میں خود اسے آگ لگا دو گی زہر دے دوں گی۔۔۔۔۔

وہ ہڈیانی کیفیت میں اس بچی کی طرف لپکی ان کے سر پر خون سوار تھا۔۔۔۔۔

مہر النساء اللہ سے ڈرو ایک بچی نے تمہارا کیا بگاڑا ہے میں اسے کدھر لے کے جاؤں انہوں نے
مہر النساء سے پہلے ہی بچی کو اٹھا کے گود میں بھر لیا

بچی کو جیسے قرار مل گیا۔۔۔۔۔

"اس بچی نے نہیں اس کی ماں نے بگاڑا ہے۔۔۔۔۔۔ میری خوشیاں نکل گئی ہیں جہاں
اسے میری نظروں کے سامنے سے لے جائیں۔۔۔۔۔۔ چاہے کسی کچرے کے ڈھیر میں
پھینک آئی یا سڑک کے کنارے۔۔۔۔۔۔ مجھے فرق نہیں پڑتا۔۔۔۔۔۔"

بچی خاموش سے اپنے باپ کو دیکھ رہی تھی

آگے بڑھ کہ بچی کا ماتھا چوما تھا

وہ باپ کا لمس محسوس کر کے دھیرے سے مسکرائی می تھی۔۔۔۔

والٹ میں لگی اپنی اور اس کی آخری تصویر تحفے کے طور پہ اس کے ساتھ رکھ دی تھی

شاید وہ یہ چاہتے تھے کہ اگر یہ ذندہ بچ جائے تو انہیں ڈھونڈ لے۔۔۔۔

”ہمیں معاف کر دیجیئے گا بیٹا ہم آپ کی حفاظت نہیں کر پائے ہم مجبور تھے۔۔۔۔۔ لیکن ہم

آپ کو اللہ کے سپرد کر رہے ہیں وہ آپ کے لیے کوئی می اچھا وسیلہ بنا دیں۔۔۔۔۔

اس کا ننھا سا ہاتھ چھوڑ کے وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔۔۔

گاڑی میں بیٹھے گاڑی سٹارٹ کی

اس بچی نے ننھی گردن گھمائی شاید وہ اپنے باپ کو دیکھنا چاہتی تھی

اور زار و قطار رونے لگی

انہوں نے مڑ کے نہیں دیکھا تھا

یہ آوازیں آج بھی ان کے کان کے پردے پھاڑتی تھی۔۔۔۔

”پتہ نہیں وہ ذندہ تھی یا مر گئی تھی“

وہ کچھ نہیں جانتے تھے۔۔۔۔

وہ بس اتنا جانتے تھے وہ ان کی بیٹی تھی اور وہ ایک لاپرواہ باپ۔۔۔۔۔ جو اپنی اولاد کی حفاظت

نہ کر پائے۔۔۔۔

ان کی آنکھیں پھر ایک دفعہ بھینگنے لگی تھی۔۔۔۔۔



چاہت لب پہ مچلتی ہوئی لڑکی کی طرح ہے
حسرت آنکھ میں زنداں کے آسیروں جیسی

صبح کی ذر روشنی نے اس چمچماتے کوٹھے پہ لگی بتیوں کو ماند کر دیا تھا۔۔۔۔۔

ہر کمرے میں چیخل پہل تھی

سوائے اس کے کمرے کے وہ ابھی تک افسردگی سے۔۔۔۔۔ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی
تھی۔۔۔۔۔

ساتھ کمرے میں بیٹھی نگار بیگم یہ الفاظ سن کے حیرت کی تصویر بنی ہوئی تھی

فٹا فٹ منہ سے پان تھوکا تھا

”خان جی آپ زپاش کی بات کر رہے ہیں۔۔۔۔۔؟“

انہوں نے آگے ہو کے ایلے پوچھا جیسے۔۔۔۔۔ اس کے کانوں نے غلط سنا ہو۔۔۔۔۔

”ہاں۔۔۔۔۔ اسی کی۔۔۔۔۔“

اس نے لاپرواہی سے کہا

”خان جی پورے کوٹھے میں جس بھی لڑکی پہ ہاتھ رکھیں گے لڑکی حاضر لیکن زپاش نہیں

انہوں نے دو ٹوک کہا تھا۔۔۔۔۔

”کیوں اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔۔۔۔۔“

”کیونکہ خان جی وہ طوائف نہیں ہے۔۔۔۔۔“

وہ کوٹھے میں رہتی ضرور ہے وہ طوائف نہیں ہے۔۔۔۔۔

اس کی ماں یہ نہیں ہونے دے گی

انہوں نے ساری صورتحال بتائی۔۔۔۔۔

نگار بیگم صرف ایک رات کی بات ہے۔۔۔۔۔ "میں اس کے ساتھ وقت گزارنا چاہتا ہوں آپ کچھ کریں نا میں آپ کو اتنے پیسے دوں گا کہ آپ خوش ہو جائیں گی۔۔۔۔۔"

اس نے انہیں لالچ دی

معذرت۔۔۔۔۔ خان جی یہ قصہ ہمارے بس سے باہر ہے اس کی ماں نے ہماری بہت خدمت کی ہے کبھی ایک پھوٹی کوڑی نہیں لی ہم سے کہ بدلے میں ہم زپاش کو دھندے سے دور رکھیں ہم زبان دے چکے ہیں اور نگار بیگم زبان سے نہیں پھرتی۔۔۔۔۔

زپاش والی بات ممکن نہیں۔۔۔۔

انہوں نے صاف صاف الفاظ میں کہا اور پھر سے پان چبانے لگی

وہ ایک سخت نگاہ ان پہ ڈالتا اٹھ کھڑا ہوا

”میرا نام بھی میرے ماں باپ نے وہاج خان رکھا ہے نگار بیگم۔۔۔۔۔۔ اور میری بھی ضد ہے
میں بھی زپاش کے ساتھ وقت گزار کے رہوں گا چاہے مجھے کسی بھی حد تک جانا
پڑے۔۔۔۔۔“

وہ تپش بھری نظروں سے دیکھتا باہر نکل گیا

نگار بیگم نے سر جھٹک دیا

لیکن وہ ابھی تک سوچ رہی تھی کہ اس نے زپاش کو دیکھا کہاں ہے۔۔۔۔۔؟



شام تنہائی می غم نہ کر کہ
تیرا کوئی می ہمسفر نہیں ہے ہم ہیں----

جہاں آراء نک سک سی تیار ہوئی می پریشان سی ملازمین کو ہدایات دے رہی تھی

"زری کو بہت تیز بخار ہے-----ہمارا جانا ضروری نہ ہوتا تو ہم کبھی نہ جاتے آپ انہیں
وقت پہ دوائی میں دیتے رہتے گا ہم جلدی آنے کی کوشش کریں گے-----"

بیڈ پہ آنکھیں موندے گہری نیند سوئی می زری کے نقاہت زدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے انہوں نے
پریشانی سے کہا

اور خود چادر اوڑ کے اٹھ کھڑی ہوئی می

اور ملازمہ کو ہدایت دیتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی-----

ملازمہ نے بھی ان کی پیروی کی

اب کمرے میں زپاش اکیلی تھی



کتنے مغرور پہاڑوں کے بدن چاک ہوئے

تیز کرنوں کی جو بارش ہوئی می تیروں جیسی----

وہ غصے سے جیسے ہی کمرے سے باہر نکلا چمکیلے پردے کے پار نظر پڑتے ہی ٹھٹکا----

وہ اندر پلنگ پہ گہری نیند سو رہی تھی

وہ خود کو روک نہ پایا

اور اندر چلا گیا-----

وہ ابھی تک سو رہی تھی

اس کے پاس کھڑا ہو کے کافی دیر اسے دیکھتا رہا

وہ اسے اتنی معصوم لگی کہ بے ساختہ اس کے لمبے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا

وہ کسی کی موجودگی محسوس کر کے گھبرا کے اٹھ بیٹھی

دھند چھٹتے ہی ----- اس کے اوسان خطا ہو گئے وہ پھر سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا

اسے بخار کی وجہ سے ----- بہت کمزوری محسوس ہو رہی تھی

پھر بھی اٹھ کھڑی ہوئی

اور کمرے سے باہر جانے لگی

جب کسی نے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کے اس کا راستہ روک لیا

”آپ مجھ سے کیوں بھاگ رہی ہیں۔۔۔۔۔“

ذو معنی لہجے میں پوچھا گیا تھا

”ہمارا راستہ چھوڑیے۔۔۔۔۔“

نظریں جھکا کے استفسار کیا گیا تھا

”ابھی کہاں۔۔۔۔۔“

وہ لاپرواہی سے کہہ کے دو قدم قریب آیا تھا

وہ دو قدم پیچھے ہوئی تھی

وہ دیوار کے ساتھ جا لگی تھی

اور اس نے دونوں بازو دیوار کے ساتھ لگا کے گھیرا تنگ کر لیا تھا

وہ سانس روکے کھڑی تھی۔۔۔۔

”جسم پر کپکپاہٹ طاری تھی۔۔۔۔“

وہ بس رو دینے کو تیار تھی۔۔۔۔۔

نظریں ابھی تک جھکا رکھی تھی

وہ لمبی پلکوں میں بھٹک کے رہ گیا تھا

”ہمیں تو پتہ ہی نہیں تھا۔۔۔۔“ نگار بیگم نے سارے جہاں کا حسن۔۔۔۔۔ اس کوٹھے میں

چھپا کے رکھا ہے۔۔۔۔۔“

اس نے دھیرے سے کہا تھا

اس نے یکدم سر اٹھایا تھا

اس کی آنکھیں بھگی ہوئی تھی

اس کا دل بے ساختہ دھڑکا تھا

"جان لینے کا ارادہ رکھتی ہیں کیا۔۔۔۔۔؟"

بے ساختہ وہ کہہ بیٹھا تھا

"ہمیں جانے دیجئے"

آواز بہت آہستہ تھی

وہ نازک پری اس کے چوڑے سینے کے پیچھے چھپ گئی تھی۔۔۔۔۔

اب اس کی برداشت اتنی ہی تھی

وہ کھڑی بھی نہیں ہو پارہی تھی

بخار گھبراہٹ کمزوری----

اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرہ چھا گیا

اور وہی زمین پہ بے ہوش ہو کے گرنے لگی تھی کہ اس نے تھام لیا

وہ بس اس نازک سی لڑکی کو دیکھ رہا تھا

اسی لمحے اس کا فیصلہ بدل گیا تھا-----

خیالِ ضبط اور ترکِ تعلق

یہی پتھر بہت بھاری ہے اب تک

سورج کی کرنیں اب آہستہ آہستہ مدہم ہو رہی تھی شام کا سیاہ اندھیرہ روشنی ختم کرنے کو بے
تاب تھا آسمان پہ اڑتے پرندوں کی پروازوں میں تیزی آگئی تھی۔۔۔۔۔ درختوں کے پتے
ہولے ہولے لرز رہے تھے۔۔۔۔۔ ایسے میں اس کوٹھے کے اس چھوٹے کمرے میں اسے
بازوں میں تھامے وہاج کو پہلی دفعہ اپنی دھڑکنوں کا شور سنائی می دیا تھا اسے محسوس ہوا اس
کا دل ابھی پنجرہ توڑ کے باہر نکل آئے گا ایک لمحے میں اسے محسوس ہوا کہ اس کا سارا غرور
خاک میں مل جائے گا وہ ابھی تک بے ہوش ساکت اس کی بانہوں میں جھول رہی تھی

وہ بس اسے اتنے قریب سے دیکھ رہا تھا اسے خود اپنی حالت کی سمجھ نہیں آرہی تھی

لگے ہی محے وہ اپنے حواسوں میں لوٹا اس کا نیچے کی طرف جھولتا ہاتھ جیسے ہی ہاتھ میں لیا اسے
محسوس ہوا وہ بخار میں تپ رہی تھی۔۔۔۔۔

اور لگے ہی محے وہ اسے سہارہ دے کے بستر تک لے کے گیا اسے لٹایا کمبل درست کیا

”زری“ جہاں آراء بیگم چلی گئی گئی؟

اسی محلے رانی تیزی سے کمرے کے اندر داخل ہوئی تھی

لٹھ کو انگلی پہ لپیٹتی وہ چونک کے وہی کھڑی ہو گئی تھی

وہاں موجود شخص کی اس کی طرف پیٹھ تھی لیکن پھر بھی وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ کون ہے۔۔۔۔۔؟

”خان جی“ آپ یہاں؟

اس نے وہی کھڑے کھڑے کہا

اس کے لہجے میں حیرت سے زیادہ حسد نمایاں تھی

”وہ یکدم پلٹا

اسے ایک نظر دیکھا

لیکن اس کے اطمینان میں کوئی کمی نہیں آئی

”وہ میں یہاں سے گزر رہا تھا دیکھا یہ نیچے زمین پہ بے ہوش پڑی تھی

اس نے ایک نظر بیڈ پہ لیٹی زرباش کو دیکھا اور سہولت سے جھوٹ بولا

پتہ نہیں کیوں وہ نہیں چاہتا تھا یہاں کوئی می اس کے کردار پہ بات کرے

لیکن دروازے میں کھڑی رانی کھوجتی ہوئی می نظروں سے ابھی تک وہاں کو دیکھ رہی تھی

”ایسے کیا کھڑی ہو -----“؟ یہ بے ہوش ہے جاؤ ڈاکٹر کو فون کرو یا ٹھنڈی پٹیاں

رکھو-----“

اسے یوں کھڑا دیکھ کہ وہ چڑ گیا اسی لیے اکتاہٹ بھرے لہجے میں بولا

”آپ جائیئے خان جی----- میں دیکھ لوں گی اس کی ماں واپس آگئی تو بہت ہنگامہ ہو گا-----“

وہ تیزی سے آگے بڑھی وہاں کے پاس سے گزر کے بیڈ پہ بے ہوش پڑی زپاش کی طرف بڑھی

لہجے میں جلن کی جگہ اب غصے نے لے لی تھی

”کیوں-----؟ اس کی ماں مجھے کیا کہے گی-----؟“

اس نے ابرو اچکا کے سوالیہ لہجے میں پوچھا تھا-----

”آپ کچھ نہیں جانتے خان جی-----“

وہ ایک ادا سے مڑی تھی

مکار ہنسی چہرے پہ سجائے پٹی تھی -----

اس نے ایک نظر رانی کو دیکھا تھا پھر رخ موڑ گیا تھا

وہ جانتا تھا رانی اس میں دلچسپی رکھتی ہے وہ اپنے کسی بھی عمل سے یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا
تھا کہ وہ زرباش میں دلچسپی رکھتا ہے

کیونکہ ابھی زرباش نے رانی کے ساتھ ہی رہنا تھا

”اچھا ٹھیک ہے تم سنبھال لو----- میں چلتا ہوں-----“

وہ کندھے اچکا کے برے دل کے ساتھ لا پرواہی کا اظہار کرتا آگے بڑھ گیا

رانی کی تیز نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا

وہاج نے پلٹ کے بیڈ پہ لیٹی زرباش کو دیکھا تھا اور پھر ایک نظر خود کو گھورتی رانی پہ ڈالی اور آگے بڑھ گیا۔۔۔۔۔

ذہن اس کا ابھی تک زرباش میں الجھا ہوا تھا

اب کمرے میں صرف رانی اور بیڈ پہ بے ہوش پڑی زرباش تھی

"ہوں خان جی یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں کچھ بھی کہیں گے اور ہم یقین کر لیں گے ساری عمر مردوں میں ہی گزاری ہے چلتا مرد دیکھ کہ سمجھ جاتے ہیں کہ اس کے ذہن میں کیا چل رہا ہے۔۔۔۔۔ اگر جہاں آراء کے احسان یاد نہ ہوتے تو اس کو ابھی ہی زہر دے کے یہاں مرنے کے لیے چھوڑ دیتی۔۔۔۔۔ لیکن نہیں میری جان ہم کیوں اپنی زندگی خراب کریں۔۔۔۔۔ ان کی کیوں نہ کریں جنہوں نے ہمیں ٹھکرایا۔۔۔۔۔ ایسی موت تو بہت آسان ہوتی ہے زری۔۔۔۔۔ ہم آپ کو تڑپنے والی موت دیں گے۔۔۔۔۔"

وہ گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے زہر خند لہجے میں بڑبڑائی می اس کے لہجے میں سانپ جیسی زہر تھی۔۔۔۔۔ جیسے وہ دنگ مارنے کو تیار ہو۔۔۔۔۔

اماری کھولی پٹیاں نکالی اور اس کے ماتھے پہ رکھنے لگی تھوڑی ہی دیر میں زرباش کو ہوش آگیا
تمھا

زرباش نے آنکھیں کھولی تو اسے دھندلا دھندلا دیکھائی می دینے لگا

پاس چمکیلی قمیض نیچے سلک کی شلوار پہنے رانی کھڑی تھی

کھلے بالوں کو شانوں پہ پھیلا رکھا تھا

آنکھوں میں کاٹ اور چہرے پہ مصنوعی مسکراہٹ سجا رکھی تھی

وہ جیسے جیسے ہوش میں آتی گئی پرانے منظر کسی فلم کی طرح اس کے ذہن میں چلنے
لگے۔۔۔۔۔

رانی یہاں کیا کر رہی ہے۔۔۔۔۔؟ اور وہ کہاں ہیں۔۔۔۔۔؟

”کیا رانی نے ہمیں اس کے ساتھ دیکھ لیا ہے۔۔۔۔۔؟“

ایسے بہت سے سوال ذہن میں گردش کر رہی تھی

لیکن وہ کچھ پوچھ نہیں پارہی تھی

”ارے زری آپ کو ہوش آگیا کیسا محسوس کر رہی ہیں آپ۔۔۔۔۔“

وہ مصنوعی محبت لہجے میں سمو کے اس کی طرف بڑھی

اس کے قریب بیٹھ کے اس کے بالوں کو سنوارنے لگی

اس نے ایک نظر رانی کو دیکھا

وہ اسے ہمیشہ سے اپنی بہن کی طرح سمجھتی تھی

اس لیے اس کی قربت پا کے رونے لگی۔۔۔۔

”رانی نے کچھ چونک کے اسے دیکھا

”کیا ہوا زری“ آپ ٹھیک تو ہیں نا۔۔۔۔۔“؟

وہ سنبھل کے بیٹھی

”ہاں ہم ٹھیک ہیں۔۔۔۔“

اس نے یکدم اپنی آنکھیں پونچھ ڈالی

دونوں کہنیوں کے سہارے اٹھ کے بیٹھ گئی

”پکا نا۔۔۔۔۔“

اس نے تصدیق چاہی۔۔۔۔

”ہاں۔۔۔۔“

وہ کمزور سے لہجے میں بولی۔۔۔۔

”ویسے زری اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات پوچھیں۔۔۔۔“؟

وہ گلا کھنکار کے مدعے کی بات پر آئی می

کوٹھے میں باتیں ہو رہی ہیں کے بڑی حویلی کے وہاج خان کی آپ پر بری نظر ہے۔۔۔۔۔؟

اس نے کمال خوشیاری سے اسے کھوجنا چاہا

اس نے ایک دم گڑبڑا کے رانی کی طرف دیکھا۔۔۔۔۔

”نہیں۔۔۔۔۔“ ایسی بات نہیں۔۔۔۔۔“

وہ اپنی صفائی میں ٹھیک طرح سے بول بھی نہ پائی۔۔۔۔۔

اور وہ سمجھ گئی تھی

دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔۔۔۔۔

”ویسے زری ہمارا کام تو نہیں بنتا۔۔۔۔۔ پھر بھی ایک بڑی بہن ہونے کی حیثیت سے آپ کو ایک بات سمجھانا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔“

اس نے معصومیت سے کہا

”مرد تو یوں بھی قابل اعتبار نہیں ہوتے اور کوٹھے میں آنے والے مرد تو بالکل بھی قابل اعتبار نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔ تم خود سوچو زری جو مرد باکردار نہیں ہے وہ قابل اعتبار کیسے ہو سکتا

ہے۔۔۔۔۔"؟ جو مرد طوائف کے کوٹھے میں دل بھلانے آتا ہے وہ کبھی بھی کسی طوائف کے ساتھ دل لگا نہیں سکتا۔۔۔۔۔ ان مردوں کی باتوں میں کبھی مت آنا۔۔۔۔۔"

وہ اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے اسے رسان سے سمجھا رہی تھی

اور وہ کسی کٹ پتلی کی طرح اس کے اشاروں پہ چل رہی تھی

اس کی کہی ہوئی باتوں کو سوچ رہی تھی

"ادھر ہماری طرف دیکھیں۔۔۔۔۔"

یہ مرد جو ہوتے ہیں نایہ تین طرح کے جال پھینکتے ہیں۔۔۔۔۔

پہلا جال چاہت کا۔۔۔۔۔

وہ انگلیوں پہ گن کے بتانے لگی

دوسرا جال محبت کا

اس نے درمیانی انگلی اٹھاتے ہوئے کہا

وہ دم سادھے سن رہی تھی

اور اگر عورت ان دونوں جالوں میں نہ پھنسنے تو۔۔۔۔

وہ شاطر نگاہیں اس پہ گاڑتی اس کے تھوڑے قریب ہو کے رازداری سے بولی۔۔۔۔

وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی

اور پھر وہ تیسرا اور سب سے آخری جال نکاح کا پھینکتا ہے۔۔۔۔۔

اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے لفظ "نکاح" پہ ذور دے کے کہا۔۔۔۔

وہ اُلجھی ہوئی ی نظروں سے رانی کو دیکھ کے رہ گئی۔۔۔۔

”لیکن رانی جی نکاح کا رشتہ تو اللہ نے بنایا ہے۔۔۔۔“

وہ نا سمجھی سے بولی

”بے شک میری جان۔۔۔۔۔ بنایا تو خدا نے ہے لیکن۔۔۔۔ لیکن مردوں نے اس کو بھی بدنام کر کے رکھ دیا ہے مرد روح کو کہاں سمجھتا ہے وہ تو جسم کو دیکھتا ہے اسے روح سے کوئی می سروکار نہیں ہوتا وہ جسم کا پجاری ہے تب ہی تو کوٹھے آباد ہیں۔۔۔۔۔“

اس نے ایک ادا سے کہا لہجے میں افسوس بھی بھر آیا

عورت کو۔۔۔۔۔ خود کو طاقتور بنانا چاہیے۔۔۔۔۔ اس کو اپنی ضرورتوں کے لیے اپنی عزت کو قربان نہیں کرنا چاہیے۔۔۔۔۔“ اسے مرد کے نکاح کے جھانلے میں نہیں آنا چاہیے۔۔۔۔۔“

وہ جیسے اسے کسی اور ہی دنیا میں لے گئی تھی

جہاں عورت ایک معصوم پرندہ اور مرد ایک ظالم شکاری تھا

”زرباش -----“

کسی کے پکارنے پہ وہ جیسے اس دنیا میں واپس لوٹی

دروازے میں اس کی چادر اوڑھے اس کی ماں کھڑی تھی -----

چہرے پہ فکر مندی کے آثار تھے

”اب کیسی طبیعت ہے آپ کی بخار اترا آپ کا -----؟“

وہ آگے بڑھی چادر وہی بیڈ پہ پھینک کے زری کی طرف لپکی اس کی پیشانی پہ ہاتھ رکھا

”یا اللہ تیرا شکر-----” بخار اتر گیا۔۔۔۔۔“

وہ تشکرانہ لہجے میں بولی

لمبا سانس لے کے وہی پلنگ پہ زری کے کے قریب بیٹھ گئی۔۔۔۔۔

”وہ دھیرے سے مسکرا دی۔۔۔۔۔“

”اچھا میں چلتی ہوں۔۔۔۔۔“

رانی اٹھ کھڑی ہوئی

زری اس کی طرف دیکھ کے مسکرائی

وہ بھی مسکرا دی

وہ ہرنی جیسی چال لیتی دروازے تک گئی پھر ایک نظر پلٹ کے پلنگ پہ اپنی ماں کے ساتھ
باتیں کرتی زری کو دیکھا اور پلٹ گئی۔۔۔۔

اب پیچھے زری کے ذہن میں رانی کی باتیں ہی گردش کر رہی تھی

”کہتے ہیں دشمن اپنا پہلا وار کرتا ہی دماغ پہ ہے دماغ کو مفلوج کرنے کے بعد ہی وہ جسم پر
حملہ کرتا ہے کیونکہ جب تک دماغ کام کرتا رہتا ہے دشمن کی جیت کے امکان صفر فی صد
ہوتے ہیں۔۔۔۔۔“

رانی نے بھی یہی کیا تھا

اب مطمئن سی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی

اور اندر بیٹھی زرباش یہ سوچ رہی تھی

کہ اپنی ماں کو بتادے یا نہیں

وہ کسی نتیجے پہ نہیں پہنچ پارہی تھی



جاؤ جیت کا جشن مناؤ
میں جھوٹا ہوں تم سچے ہو۔۔۔۔

صبح کی مدہم روشنی نے دھیرے دھیرے اس کوٹھے کو اپنی لپیٹ میں لینا شروع کر دیا
تھا۔۔۔۔ رات کا ملجلی اندھیرہ اس وقت بھی باقی تھا کیونکہ آسمان پہ کالے بادلوں کا راج تھا
۔۔۔۔ مینہ برسنے کو بے قرار تھا۔۔۔۔۔ صبح کے دس بجے بھی رات کا گمان ہوتا تھا

ایسے میں کوٹھے کی تمام بتیاں روشن تھی۔۔۔۔

آج کوٹھے میں کوئی ی رقص نہیں رکھوایا گیا تھا۔۔۔۔۔

موسم کی خرابی اور طوائی فوں کی تھکاوٹ بنیادی وجہ تھی

اس لیے آج کوٹھے میں گما گہمی کم تھی۔۔۔۔۔

وہ سفید رنگ کی قمیض شلوار زیب تن کیے۔۔۔۔۔ کھلے بال کمر پہ پھیلے گھٹنوں کو باہم ملائے
اوپر تھوڑی ٹکا کر بے زار سی بیٹھی کھڑکی سے باہر بادلوں سے ڈھکے آسمان کو دیکھ رہی تھی

جہاں آراء کوٹھے کے آخری حصے میں نئی آنے والی لڑکیوں کو رقص سکھا رہی تھی

اور زرباش کے کمرے کے ساتھ ہی نگار بیگم۔۔۔۔۔ چمکیلی ساڑھی زیب تن کیے اونچا جوڑہ کیے
میک اپ سے اٹے چہرے کے ساتھ ورطہ حیرت میں ڈوبی سامنے بیٹھے شخص کو دیکھ رہی
تھی۔۔۔۔۔

"آپ کو پتہ ہے۔۔۔۔۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔۔۔؟"

وہ تھوڑا آگے کی طرف سرکی۔۔۔۔۔ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بے یقینی سے بولی۔۔۔۔۔

اسی محلے وہ پلنگ سے اتری۔۔۔۔ اور کمرے سے باہر نکلی۔۔۔۔

رخ رانی کے کمرے کی طرف تھا

اسی محلے شناسا آواز کانوں سے ٹکرائی تھی

اور اس کے قدم وہی تھم گئے

”میں زرباش سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔۔۔۔ نگار بیگم۔۔۔۔

وہاج کے یہ الفاظ کسی بم کی طرح ان کی سماعتوں پہ گرے۔۔۔۔ اور دروازے کے ساتھ لگ
کہ کھڑی زرباش۔۔۔۔ نے بے یقینی سے یہ الفاظ سنے تھے۔۔۔۔

”خان جی پاگل ہو گئے ہیں کیا۔۔۔۔“ آپ اتنی بڑی حویلی کے خان ہیں آپ ایک طوائف
کی بیٹی سے شادی کریں گے۔۔۔۔“؟

منہ سے پان تھوک کے اس بھدے ہوئے جسم والی خاتون نے برا سا منہ بنا کہہ کہا تھا۔۔۔۔۔

اور باہر کھڑی زریپاش سانس روکے سن رہی تھی

"آپ سے مشورہ نہیں مانگا۔۔۔۔۔ بس یہ کہہ رہا ہوں کہ زریپاش کا مجھ سے نکاح کروا دیں۔۔۔۔۔"

وہ ابھی بھی اپنی بات پہ باضد تھابت ہی بگڑ کر بولا تھا۔۔۔۔۔

"پیسوں کی فکر مت کریں جتنے کہیں گے دے دوں گا بس وہ مجھے کسی قیمت پہ بھی وہ چاہیئے۔۔۔۔۔"

وہ دو ٹوک لہجے میں کہتے ہوئے اٹھنے لگا

جب دھڑام سے دروازہ کھلنے پہ وہ چونکا

سامنے لال چہرہ لیے وہ کھڑی اسے گھور رہی تھی۔۔۔۔

”خان جی۔۔۔۔ آپ کون ہوتے ہیں میری قیمت لگانے والے۔۔۔۔ کوٹھے پہ ضرور ہوتی ہوں
طوائف کی بیٹی ضرور ہوں لیکن بھیر بکری نہیں ہوں کہ خریدار آئی ہیں اور قیمت لگائی ہیں اور
دل بھلائی ہیں۔۔۔۔“

وہ چبھتے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی

وہ بس چہرے پہ بے زاری سجائے اس کی باتیں سن رہا تھا۔۔۔۔

”میں قیمت نہیں لگا رہا تمہاری نکاح کر کے لے کے جاؤں گا زیادہ باتیں مجھے پسند نہیں
ہیں۔۔۔۔“

وہ اسے سختی سے لوکتا جانے لگا۔۔۔۔

”اپنا دل بھلانے کے لیے ----- نکاح کو بھی بدنام نہ کریں ----- جانتی ہوں آپ جیسے
برائے نام عزت دار کوٹھوں پہ آتے ہیں دل بھلاتے ہیں قیمت لگاتے ہیں ----- پھر چھوڑ
دیتے ہیں اور آپ تو اتنے گھٹیا ہیں کہ -----“

ابھی وہ اتنا ہی بول پائی می تھی -----

جب وہ غصے سے پلٹا اور اس کا بازو پکڑ کہ اپنے قریب کرنا چاہا۔ ----- کہ زور دار تمہیں اس کا
خون تک گرما گیا۔ ----- وہ بے یقینی سے لال آنکھوں سے اسے دیکھے گیا

نگار بیگم جو ابھی تک خاموش تماشائی می تھی

بات بگڑتی دیکھ کہ ----- زرباش کو جھڑکے لگی

”طوائف کے کوٹھے میں رہتی ضرور ہوں لیکن طوائف نہیں ہوں میں ----- کہ جب جس
کا دل چاہے دل بھلائے ----- قیمت لگائے ----- آئی نہ مجھے چھونے کی کوشش مت
کیجیے گا -----“

اور تیزی سے باہر نکل گئی۔۔۔۔

وہ لال بمبھوکا چہرہ لیے اسے جاتا دیکھتا رہا۔۔۔۔۔

"خان جی جانے دیجیئے۔۔۔۔۔ آپ کیا دل لگا بیٹھے ہیں۔۔۔۔۔ دل بہلائی لے۔۔۔۔۔ اور بھی خوبصورت لڑکیاں ہیں میرے پاس

"نگار بیگم بات سنبھالنے کی غرض سے بولی۔۔۔۔

"نہیں اب میری ضد میرا جنون ہے میں۔۔۔۔۔ اس کا یہ غرور توڑا گا۔۔۔۔۔ کہ یہ طوائف کہ کوٹھے میں رہ کہ بھی طوائف نہیں ہے میں بناؤں گا اس کو طوائف۔۔۔۔۔ اور میں لگاؤں گا اس کی قیمت اس نے وہاج خان کو تمپھڑ مارا ہے اس کا حساب اسے آخری سانس تک دینا ہو گا۔۔۔۔۔ واقعی کوٹھے میں رہنے والی بیوی نہیں بنتی وہ طوائف ہوتی ہے اور طوائف ہی رہتی ہے۔۔۔۔۔"

وہ دھاڑتے ہوئے غصے سے بے قابو ہو رہا تھا۔۔۔۔

لیکن یہاں سننے والا کون تھا

جس نے سننا تھا وہ جا چکی تھی

وہ زپاش سے کم از کام زپاش سے ایسی توقع نہیں رکھتا تھا کہ وہ ایسا کرے گی وہ آج پہلے
والی ڈری سہمی زپاش نہیں تھی یہ تو کوئی می اور ہی تھی

وہ ابھی تک ہنسنے کی طرح لال ہنسنے کا چہرہ لے کھڑا تھا

اور اس نے تیزی سے اندر جا کے کمرے کو کنڈی چڑھائی می اور وہی دیوار کے ساتھ لگ کے اپنا
رکا ہوئے سانس بحال کرنے لگی وہ نہیں جانتی تھی آگے کیا ہو گا۔۔۔۔۔؟

اسی لمحے دروازہ زور سے بجا وہ ڈر کے مارے اور سمٹ کے بیٹھ گئی۔۔۔۔۔

”ذری دروازہ کھولیں۔۔۔۔“

جہاں آراء کی آواز سن کے اسے کچھ حوصلہ ہوا۔۔۔۔۔ اس نے تیزی سے دروازہ کھولا۔۔۔۔

اور ان کے گلے لگ کے زار و قطار رونے لگی۔۔۔۔

وہ گھبرا گئی تھی

اور زری نے اسے مجھے انہیں سب بتا دیا تھا۔۔۔۔۔

وہ حیرت زدہ سی وہی کھڑی رہی

پھر بولی تو فقط اتنا

”آپ پریشان نہ ہو ہم نگار بیگم کو جانتے ہیں وہ مر سکتی ہیں لیکن وعدہ خلافی نہیں کر سکتی

انہوں نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا

پتہ نہیں وہ مطمئن ہوئی تھی یا نہیں لیکن جہاں آراء اب بہت پریشان نظر آرہی تھی

جن نظروں سے اتنی سال انہوں نے اپنی بیٹی کو بچایا تھا وہ ابھی انہی نظروں کی زد میں تھی

اور اسی محلے نگار بیگم کے لاکھ سمجھانے کے باوجود وہ دل میں بھڑکتی بدلے کی آگ لے کے اس کوٹھے سے نکلا تھا

اسے زرباش کو حاصل کرنا تھا یہ اب اس کی ضد تھی۔۔۔۔

اور زرباش کسی قیمت پہ اسے قبول نہیں کرنا چاہتی تھی۔۔۔۔

اور یہ صبح دھیرے دھیرے سرک رہی تھی



گزر رہی ہیں گلی سے پھر تیز ہوائی میں
کوار کھولو دیئے بجھاؤ اداس لوگو۔۔۔۔۔

اپنے اندر دکھ تکلیف پریشانیاں سموئے صبح کی روشنی مدہم ہونے لگی اور رات کے اندھیرے نے
کمال خوشیاری سے اس روشنی کو ختم کیا۔۔۔۔۔ سورج چپکے سے نظریں چرا کے چھپ کے بیٹھا
تھا اور چاند محو تماشا تھا ایسے میں وہ تاروں کے ساتھ ڈھلے ہوئے آسمان کے نیچے بیٹھی
تھی۔۔۔۔۔ آدھی آستینوں والی سفید قمیض نیچے چوڑی دار پاجامہ پہنے وہ زمین پہ بیٹھی تھی سر
پہ چاندی اتر آئی تھی چہرے پہ ہلکی ہلکی جھریاں بھی جنہیں وہ میک اپ سے چھپاتی تھی اور
آج بھی سولہ سترہ سال کی لڑکی لگتی تھی

آنکھوں میں صدیوں کی ریاضت تھی۔۔۔۔۔ اور چہرے پہ تھکان۔۔۔۔۔

"وہ جہاں آراء تھی اس نے ایک شاندار وقت گزارا تھا اپنے وقت کی سب سے مشہور طوائف
جو زمین پہ رقص کرتی تھی تو آسمان جھومنے لگتا تھا۔۔۔۔۔ لوگ اس کی ایک جھلک کو ترستے
تھے۔۔۔۔۔ وہ تب تک جہاں آراء تھی جب تک وہ ماں نہیں تھی اور جب وہ ماں بنی تو ماں بن
کے ہی رہ گئی اس دن جہاں آراء کہیں کھوگئی تھی

بس اس دن صرف زری کی ماں بچی تھی

انہیں آج بھی وہ دن یاد تھا جب-----وہ رات کو لیٹ کسی شو سے واپس آرہی تھی

انہوں نے کسی بچی کے رونے کی آواز سنی تھی وہ تڑپ کے رہ گئی تھی

وہ ایک عام عورت تھی لیکن بچی کی چیخ و پکار نے اس کے سوئے ہوئے احساسات جگا دیئے تھے

"فوراً گاڑی روکو-----"

سختی سے ڈرائیور کو رکے کا کہہ کر وہ دوپٹہ سیٹ کر کے گاڑی سے اتری تھی

آواز کے تعاقب میں گئی

انہیں پیڑ کے نیچے بے بی کاٹ میں ایک نومولود خوبصورت بچی روتی ہوئی نظر آئی۔۔۔۔۔

انہوں نے فوراً اسے گود میں بھر لیا

بچی فوراً خاموش ہوئی اور اسے دیکھنے لگی

جہاں آراء نے نظریں گھما کے یہاں وہاں دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا

انہیں محسوس ہوا کہ کہیں یہ اغواء کار کوئی گینگ نہ ہو ایک محلے کے بچے انہوں نے سوچا کہ بچی کو واپس رکھ دیں پھر اس کے معصوم چہرے کو دیکھا تو یہ نا کر سکتی

کے حروف لکھے دیکھ sorry beta یکدم ان کی نظر زمین پہ الٹی پڑی تصویر پہ پڑی جس پہ کہ وہ چونکی۔۔۔۔۔

جھک کے تصویر اٹھائی جو کسی مرد کی تھی اور ساتھ یہی بچی

معاملہ انہیں کچھ سمجھ آگیا تھا

وہ چپ چاپ بچی کو لے کے کوٹھے پہ لے آئی تھی

انہیں اچھی طرح یاد تھا کہ نگار بیگم نے کتنا ہنگامہ کیا تھا

تب ان کے قدموں میں بیٹھ کے انہوں نے درخواست کی تھی اور پوری زندگی خدمت کا وعدہ کیا تھا

تب زپاش کو اس کوٹھے میں جگہ ملی تھی

وہ چاہتی تو تھانے میں تصویر دیتی بچی کو باپ سے ملوا دیتی لیکن اس ملے وہ خود غرض ہو گئی تھی

تب انہوں نے اس کا نام زپاش رکھا تھا۔۔۔۔۔ جس کا مطلب ہے بہت خوبصورت۔۔۔۔۔ اور وہ تھی بھی بہت خوبصورت۔۔۔۔۔

اور یوں وہ اس کوٹھے میں پلی بڑھی تھی

اور یوں سب ایک دم ختم ہو رہا تھا

وہ جانتی تھی ان کے بعد اس کوٹھے میں زپاش کا کوئی ی نہیں تھا

وہ اٹھی سیڑھیاں اتر کر کمرے میں گئی

زپاش گھری نیند سو رہی تھی

دراز کھولا فائل نکالی----

وہ بیماری کی رپورٹس تھی

انہیں بلڈ کینسر تھا----

ان کے پاس وقت بہت کم تھا

اور اب وقت فیصلے کا تھا

انہوں نے ایک نظر سوتی ہوئی ی زپاش کو دیکھا اور سونے کے لیے لیٹ گئی۔۔۔۔۔



اتنے خائف کیوں رہتی ہو

ہر آہٹ سے ڈرتے ہو۔۔۔۔۔

اگلی صبح امید روشنی دکھ مایوسی ضد اور افسوس لے کے اتری تھی۔۔۔۔۔

جہاں آراء کی طبیعت خراب تھی وہ۔۔۔۔۔ کمرے میں سو رہی تھی۔۔۔۔۔ زپاش اپنے کمرے میں اکیلی تھی

نگار بیگم لڑکیوں کو ہدایات دے رہی تھی

اسی لمحے وہ-----تیزی سے کوٹھے کے اندر داخل ہوا تھا

اس کا غصہ ابھی بھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا

وہ سیدھا زری کے کمرے میں آیا تھا۔۔۔۔

وہ کھلے بال شانوں پہ پھیلائے سابقہ لباس میں شیشے کے سامنے کھڑی کنگی کرنے میں مصروف تھی۔۔۔۔

یکدم کنگی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کے گر گئی۔۔۔۔

آئی نے میں وہ دیکھ سکتی تھی وہ پیچھے کھڑا تھا

اسے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا

وہ ہولے سے مسکرا کے وہی پلنگ پہ بیٹھ گیا

سنو ایک طوائف پہ اتنا غرور نہیں جھتا۔۔۔۔۔

وہ اس کے قریب بیٹھ کہ آنکھوں میں ترخم لے کہ اسے دیکھ رہا تھا

لجے میں تمسخر نمایاں تھا

وہ نظریں جھکائے بھی اس کے لجے میں ذلت محسوس کر سکتی تھی۔۔۔۔۔

”میں طوائف نہیں ہوں۔۔۔۔۔“ تم میری قیمت نہیں لگا سکتے۔۔۔۔۔“

وہ برہمی سے کہنے لگی

وہ وہی بیٹھا اس پری پیکر لڑکی کو دیکھنے لگا۔۔۔۔۔

جو غصے میں بھی خوبصورت لگ رہی تھی

کوٹھے میں رہنے والی طوائف ہی ہوتی ہے ---- میری جان شاید یہ تمہیں کسی نے بتایا
نہیں ----؟

وہ لاپرواہی سے کہتا ہوا اس کے مقابل کھڑا ہو گیا ----

"میں کوٹھے پہ رہتی ضرور ہوں لیکن میں طوائف نہیں ہوں میری قسمت مجھے یہاں لے
آئی تھی ---- لیکن میں نے آج تک کسی کے سامنے رقص نہیں کیا

وہ روہانسی ہوتے ہوئے کمزور لہجے میں بولی ----

اسے ایک سیکنڈ کے لیے سامنے کھڑی اس لڑکی پہ ترس آیا تھا لیکن اگلے ہی لمحے اسے وہ طمانچہ
یاد آیا تھا جو اس نے اس کے منہ پہ دے مارا تھا ----

”ہاں ہاں یہ ٹھیک ہے تم نے کسی کے سامنے رقص نہیں کیا نا تم کوٹھے میں رہتے ہوئے
بھی طوائف نہیں ہونا تمہاری آج تک کسی نے قیمت نہیں لگائی می تمہیں اس بات پہ غرور
ہے نا۔۔۔۔۔

اس نے کچھ اتنے ذور سے اس کا بازو پکڑا کہ چوڑیاں ٹوٹ کہ اس کا بازو وہاج کا ہاتھ بھی
زخمی کر گئی تھی

اس کی آنکھوں میں درد کے مارے پانی جمع ہونے لگا۔۔۔۔۔

اور وہاج کی آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا تھا

”میری ایک بات کان کھول کے سن لو اب تم رقص بھی کرو گی اور تمہاری قیمت بھی گے گی

۔۔۔۔۔ اور تمہاری قیمت میں لگاؤں گا۔۔۔۔۔ اب تمہیں وہاج خان پہ ہاتھ اٹھانے کا
انجام پتہ چلے گا۔۔۔۔۔ اور تمہیں بتاؤں گا کوٹھے پہ رہنے والی عورت اگر رقص نہ بھی کرے تو
وہ طوائف ہی ہوتی ہے۔۔۔۔۔ تیار رہنا اس تمپڑ کی قیمت تمہیں چکانے پڑے گی۔۔۔۔۔

ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ چھوڑ کے وہ تیزی سے باہر نکل گیا

اور وہ بے بسی سے اس جنونی انسان کو دیکھ رہ گئی۔۔۔۔۔



محسن تم بدنام بہت ہو۔۔۔۔۔

جیسے ہو پھر بھی اچھے ہو۔۔۔۔۔"

صبح کی ریشمی کرنیں دھیرے دھیرے اس پوری حویلی کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھیں۔۔۔۔۔ آسمان آج صاف تھا چوڑے آسمان کے سینے پہ سورج چمک رہا تھا۔۔۔۔۔ ملبے گھنے اس پرانے درخت پہ پرندوں نے اپنے گھونسلے بنا رکھے تھے۔۔۔۔۔ جو سہمی ہوئی می آوازیں نکال کے اس سنائے کو توڑنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے

اس بڑی حویلی میں معمول کے مطابق چہل پہل تھی نیچے اس بڑے سے ہال میں صوفے پہ میر داد خان کچھ لوگوں کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے سفید کاٹن کے سوٹ میں چوڑی پیشانی والے وہ بزرگ اس عمر میں بھی خوب رو لگتے تھے آدھا سر کالا اور آدھا سفید تھا داڑھی کے

بالوں میں بھی چاندی اتر آئی تھی لیکن آج بھی وہی رعب باقی تھا پورے گھر میں ہر انسان ان سے بات کرنے سے خوف کھاتا تھا سوائے وہاں کے اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی تھی کہ وہ اس خاندان کا اکلوتا چشم و چراغ تھا ابھی بھی وہ تیسری بار ملازم کے ہاتھ بلاوا بھیج چکے تھے۔۔۔۔

لیکن وہ یہاں نہیں آیا تھا

حویلی کی پچھلی طرف کچن میں کھڑی دو عورتیں۔۔۔۔ سر جوڑے باتوں میں مصروف تھی

میرداد کی بڑی بہو اور وہاں کی ماں رضیہ اور چھوٹی اور سب سے لاڈلی بہو مہرالنساء۔۔۔۔۔

ہال میں بیٹھے سب نفوس نے سر گھما کے دیکھا تھا وہ بکھرے بالوں کے ساتھ ٹراؤزر شرٹ پہنے ہی سیرھویوں سے نیچے اتر رہا تھا

وہاں بیٹھے دو اجنبی چہروں نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا تھا

اور میر داد حجالت سے مسکرائے تھے

پھر سیرِ ہیوں سے اترتے وہاج کو افسوس سے دیکھا تھا

پتہ نہیں وہ اتنا صاف گو تھا یا انہیں چڑانے کے لیے ایسی حرکتیں کرتا تھا۔۔۔۔

وہ اب ان کے سر پہ پہنچ آیا تھا

وہ ایک نظر اسے دیکھ کے پھر میرداد کی طرف متوجہ ہو گئے تھے

وہ بھی سر جھٹک کے صوفے پہ بیٹھ گیا تھا

وہ تمہری پیس سوٹ میں ملبوس دو کم عمر نوجوان حلیے سے کوئی ریپورٹر لگتے تھے

"شہباز خان اور رجب خان کسی کام سے دوسرے گاؤں گئے ہوئے تھے

اسی لیے میرداد نے وہاج کو میڈیا کے سامنے کیا۔۔۔۔۔

حالانکہ اچھائی کی امید انہیں اس کے ساتھ کبھی بھی نہیں تھی۔۔۔۔۔

اور اب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا

"تو خان جی۔۔۔۔۔ آپ گاؤں کے بڑے ہیں اور گاؤں کے لوگوں کے خیر خواہ بھی ہیں۔۔۔۔۔ ہمیں لگتا ہے آپ سے بڑھ کے کوئی بھی گاؤں کے مسائل کو حل کرنے میں ہماری مدد نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔"

کیمہ سیٹ ہوا تھا۔۔۔۔۔

اس رپورٹر نے مسکرا کے انٹرویو کا آغاز کیا تھا

میرداد خان نے مسکرا کے محض سر ہلا دیا تھا۔۔۔۔۔

وہ بوریٹ سے کچھ دیر انہیں دیکھتا رہا۔۔۔۔۔

پھر سیدھا ہو کے بیٹھا۔۔۔۔۔

”ایسی محفلوں میں میرا کیا کام ہے ویلے۔۔۔۔۔؟“

اس نے لاپرواہی سے کہا۔۔۔۔۔

تو تینوں نے چونک کے وہاج کی طرف دیکھا تھا

جو بور سا لگتا تھا۔۔۔۔۔

اب کی بار میرداد کی نظروں میں غصہ تھا۔۔۔۔۔

”کیوں میرداد خان کے بعد آپ نے ہی اپنے والد صاحب کے ساتھ مل کے گاؤں کی بھاگ

دوڑ سنبھالنی ہے۔۔۔۔۔“

رپورٹر متذبذب کا شکار تھا۔۔۔۔۔

"مجھے تو کوئی دلچسپی نہیں۔۔۔"

اس نے نیوز رپورٹر کے قریب ہو کے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا

"وجہ جان سکتا ہوں وہاں صاحب۔۔۔۔۔؟"

گفتگو کا موضوع بدل گیا تھا۔۔۔۔۔ رپورٹر اس دفعہ ریٹنگ کے لیے قدرے دلچسپی سے اس کی طرف پلٹا۔۔۔۔۔

پروگرام لائیو جا رہا تھا

اور میرداد سوائے ماتھے سے پسینہ صاف کرنے کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتے تھے۔۔۔۔۔

”میں آپ کو بھی بتانے میں دلچسپی نہیں رکھتا۔۔۔۔۔“

اس نے مسکرا کے جواب دیا تھا

رپورٹر یکدم شرمندہ ہو کے میرداد کی طرف پلٹا تھا

”تو ہم کیا بات کر رہے تھے۔۔۔۔۔ خان جی۔۔۔۔۔؟“

اس نے مائی یک درست کرتے ہوئے سوال پوچھنا چاہا۔۔۔۔۔

”میں یہاں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر یہاں پیداوری کی شرح زیادہ ہے تو یہاں غربت کی شرح بھی زیادہ ہے اتنی محنت کے باوجود اگر یہاں کے لوگوں کو دو وقت کی روٹی نہیں مل رہی تو۔۔۔۔۔ کیا میں یہ سوال پوچھ سکتا ہوں کہ یہاں کے لوگوں کی محنت سے جو فنڈز ملتے ہیں کیا وہ ضروریاتِ زندگی کے لیے کافی نہیں ہے۔۔۔۔۔“

رپورٹر سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا

اس سے پہلے کہ میر داد خان کچھ کہتے وہاں نے ان کی بات کاٹ دی۔۔۔۔۔

”میں اس بات کا جواب دینا چاہتا ہوں

مسکرا کے کہا گیا تھا تو رپورٹر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔۔۔۔۔

”آپ یقیناً حیران ہونگے کہ میں ایک وڈیرہ ہونے کے باوجود اس نظام کے خلاف ہوں لیکن میں اس نظام کے خلاف ہوں۔۔۔۔۔“

اس کے اس قدر اطمینان سے کہنے پر میر داد نے افسوس سے سر اٹھا کے دیکھا تھا۔۔۔۔۔

رپورٹر البتہ مائی یک ہاتھ میں پکڑے۔۔۔۔۔ دلچسپی سے بیٹھا تھا۔۔۔۔۔

”مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتی کیا ہم لوگ پاگل ہیں بے وقوف ہیں آنکھیں نہیں رکھتے یا دیکھنے کے باوجود اسے جھٹلاتے ہیں کیا حکومت کرنے کے لیے ایک اد کوئی دوسرے ملک کی ڈگری

سیاسی بیک گراؤنڈ آٹھ دس گاڑ ہونے ضروری ہیں ---- "آپ کیا سمجھتے ہیں ایک عام کسان ان پڑھے لکھے لوگوں پہ حکومت نہیں کر سکتا ----"؟

وہ تیزی سے مگر صاف گوئی سے کہہ رہا تھا

اور میر داد بس اسے دیکھ کہ رہ گئے تھے

وہ ایسا کیوں تھا وہ کبھی سمجھ نہیں پائے تھے ----

"میرے نزدیک امیروں کی بھیس میں چھپے ان وڈیروں جاگیرداروں حکمرانوں سے زیادہ اچھی حکومت ایک عام شہری کر سکتا ہے ----" کیونکہ اس کو کوئی چیز تمھالی میں سجا کے نہیں ملتی ---- اس کا کوئی سیاسی بیک گراؤنڈ نہیں ہوتا اس کے پاس باہر کی ڈگری نہیں ہوتی ---- اس نے پیٹ بھر کے کبھی کھایا نہیں ہوتا ---- وہ محنت کرنا جانتا ہے وہ ہی ہوتا ہے جو بھوکے رہنے کی تکلیف سے واقف ہوتا ہے وہ جانتا ہے سڑک پہ سونا مشکل ہوتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ مجبور باپ کی آنکھوں میں دم توڑتے خوابوں کیا قیمت ہے ---- "؟ وہ تعلیم سے محروم بچوں کی خواہشات کا احترام کرتا ہے ----"

وہ دھیرے دھیرے بول رہا تھا

ماحول یکدم بدل گیا تھا۔۔۔۔۔

دور۔۔۔۔۔ اس چمچماتے کوٹھے میں وہ جہاں آراء کے ہمراہ بیٹھی کسی ٹرانس
میں۔۔۔۔۔ اس کے الفاظوں کے سحر میں مبتلا تھی

وہ کون تھا۔۔۔۔۔ وہ کیا تھا۔۔۔۔۔؟

کوئی می نہیں جانتا تھا۔۔۔۔۔

شاید وہ خود بھی نہیں

ابھی یہاں بیٹھے اسے تھوڑا سا احساس ہوا تھا کہ کہیں وہ غلط تھی

وہاں وہ ابھی تک بول رہا تھا

ماحول بدل رہا تھا ریڈنگز بڑھ رہی تھی۔۔۔۔

کوئی می وڈیرہ پہلی بار اپنے ہی متعلق بول رہا تھا۔۔۔۔۔

”اور آپ لوگ۔۔۔۔۔ یہاں بیٹھے جو انتخابات کے دنوں میں انہی وڈیروں اور جاگیرداروں کے پیچھے جوتے گھساتے ہیں اور بعد میں آکے مسائل پہ گفتگو کرتے ہیں۔۔۔۔۔“

اس کے اس طرح کہنے پہ اب رپورٹر شرمندہ دیکھائی می دے رہا تھا

مگر وہاں پرواہ کسے تھی۔۔۔۔۔

”میں جانتا ہوں میری یہ سب باتیں بہت سے لوگوں کو ناگوار گزریں گی۔۔۔۔۔“

میرداد کو دیکھتے ہوئے کہا گیا تھا

وہ تپش بھری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے

اور دور اس کوٹھے میں کوئی میٹلکی باندھے اسے دیکھ رہی تھی

”لیکن میرا ماننا یہ ہے کہ اگر سچائی می آپ کو ناگوار نہیں گزری تو وہ سچائی می ہے ہی نہیں یا آپ نے اسے دل سے قبول کیا ہی نہیں ہے۔۔۔۔۔“

میرا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جب وہ بوٹے ہیں تو لوگوں کے دلوں میں زہر اور چہروں پہ مسکان ہوتی ہے۔۔۔۔۔ لیکن میرے نزدیک صاف گوئی می غلط چیز نہیں ہے

کہہ کے کندھے اچکا کے پیچھے ہو گیا تھا۔۔۔۔۔

اور نیوز رپورٹر لا جواب۔۔۔۔۔

”اب یہاں مزید گفتگو کا کوئی ی فائدہ نہیں اگر ہے بھی تو میں مزید حصہ لینے کے حق میں نہیں ہوں لہازہ چلتا ہوں۔۔۔۔۔“

وہ مسکرا کے کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔۔۔

اور وہ یکدم اس کے حصار میں سے نکل آئی تھی

نیوز رپورٹر اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے اختتامی جملے بول رہا تھا

میرداد وہاں سے اٹھ کے جا چکے تھے۔۔۔۔۔

اور جہاں آراء وہی بیٹھے کچھ سوچ رہی تھی۔۔۔۔۔



میں دریا سے بھی گہرا ہوں

تم دریا سے بھی ڈرتے ہو۔۔۔۔۔؟

دوپہر کی تپتی دھوپ اور جولائی کی گرم ہواؤں نے۔۔۔۔۔ اس شہر کے ساتھ ساتھ اس حویلی
نما کوٹھے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا

چھت کے ساتھ لڑکا قدیم زمانے کا پنکھا دھیرے دھیرے چل رہا تھا

اس کمرے میں دو نفوس کی موجودگی کے باوجود خاموشی تھی

چمکیلی ساڑھی میں ملبوس بالوں کی لمبی چوٹی بنائے وہ بھرے ہوئے جسم والی عورت تکیے کے
ساتھ ٹیک لگا کے بیٹھی تھی

اور سامنے ہی سفید کاٹن کے لباس اوپر واسکوٹ پہنے سامنے کے دو بٹن گرمی کی وجہ سے
کھول رکھے تھے

چہرہ سپاٹ تھا۔۔۔۔۔

"مطلب آپ یہ کہہ رہے ہیں آپ ابھی ابھی اسی سے ہی نکاح کرنا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔؟"

”تگار بیگم نے کے لہجے میں اس دفعہ طنز تھا۔۔۔۔۔“

”آپ کو پتہ ہے میرا نام کیا ہے۔۔۔۔۔؟“

وہ تھوڑا آگے ہوا۔۔۔۔۔

”وہاج خان۔۔۔۔۔“

اس نام پہ زور دیا گیا تھا۔۔۔۔۔

”میں جو بات ایک دفعہ ٹھان لیتا ہوں وہ کر کے رہتا ہوں۔۔۔۔۔“ اور اب میری ضد ہے کہ میں اس سے نکاح کروں گا۔۔۔۔۔ کسی بھی قیمت میں اور میں بناؤں گا اسے اپنی طوائف اسے بہت غرور ہے نا اسے کوئی استعمال نہیں کر سکتا میں کروں گا اسے استعمال اور پھر اسے کسی لٹو کی طرح پھینک دوں گا۔۔۔۔۔“

اس کے لہجے میں غرور اور نفرت تھی۔۔۔۔۔

”تو اس میں ہم آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں؟“

وہ روکے لہجے میں بولی۔۔۔۔۔

”آپ نے صرف اس کی ماں کو منانا ہے۔۔۔۔۔“

چاہے جیسے بھی۔۔۔۔۔

اسے میں خود منالوں گا۔۔۔۔۔؟“

اس نے جھٹ سے انہیں کام بتایا تھا۔۔۔۔۔

”نہیں خان جی وہ نہیں مانے گی۔۔۔۔۔“

نگار بیگم نے جان چھڑانی چاہی تھی۔۔۔۔

اس نے جیب سے نوٹ نکالے اور اس کے سامنے رکھ دیئے۔۔۔۔

انہوں نے ایک نظر دیکھا اور فوراً جواب دیا

”معذرت۔۔۔۔“

دو ٹوک جواب آیا تھا

اس نے نوٹوں میں اضافہ کیا تھا۔۔۔۔

انہوں نے پھر ایک نظر دیکھا تھا

اب کی بار سر نفی میں ہلایا

اس نے اور اضافہ کیا تھا۔۔۔۔۔

"ہم سوچیں گے۔۔۔"

"کہتے ہوئے اٹھا لیا تھا۔۔۔۔۔"

وہ دھیرے سے مسکرایا تھا

جیب سے سگریٹ نکالا تھا ایک کش بھری تھی

"ویلے نگار بیگم۔۔۔۔۔ بہت عرصے۔۔۔۔۔ پہلے کی بات ہے کہ اخبار میں ایک خبر نشر ہونے

جاری تھی۔۔۔۔۔ کہ آپ نے ایک یتیم بچی کا رپ کروایا تھا اور اس کے پیسے لیے

تھے۔۔۔۔۔؟"

وہ سگریٹ کا دھواں ہوا کے سپرد کرتے ہوئے کچھ ایسے اطمینان سے بولا کہ نگار بیگم کو

جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔۔۔۔۔

"یہ کیا بکواس کر رہے ہیں آپ-----؟"

وہ غصے سے چلائی می-----

"میرے پاس ثبوت بھی ہے-----"

وہ مسکرا کے بولا-----

"آپ ایسا نہیں کر سکتے-----؟"

وہ ابھی تک صدمے میں تھی

"میں سب کچھ کر سکتا ہوں-----"

انداز چیلنجنگ تھا-----

اور زیادہ کچھ کرنا بھی نہیں ہے۔۔۔۔۔ بس کرنا یہ ہے کہ ایک چھوٹی سی پریس کانفرنس کرنی ہے۔۔۔۔۔ جس میں 2007 کے کیس کا راز آشکار کر کے داد وصول کرنی ہے۔۔۔۔۔“

مسکرا کے سر کو خم دیا تھا۔۔۔۔۔

وہ بے بسی سے غصے سے آگ بگولا ہو کے بیٹھی ہوئی تھی

ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سامنے بیٹھے شخص کی گردن مڑو دیں۔۔۔۔۔

”آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔۔۔۔۔“

انہوں نے ایک انگلی اٹھا کے ضبط سے کہا

وہ ذور سے ہنسا۔۔۔۔۔

”اور میں ایسا کیوں نہیں کروں گا۔۔۔۔۔ مجھے اس کے بدلے کیا ملے گا۔۔۔۔۔“؟

اس نے تکیہ درست کر کے دلچسپی سے کہا

”جو آپ کہیں۔۔۔۔۔“؟ آپ کو زپاش چاہیئے نا۔۔۔۔۔“ ہم کچھ بھی کریں گے۔۔۔۔۔“ وہ آپ کی ہی ہو گی۔۔۔۔۔

اب ان کا انداز منت بھرہ تھا

”ٹھیک ٹھیک۔۔۔۔۔“ لیکن یہ تو ہو گیا اس بات کو چھپانے کا معاوضہ اب۔۔۔۔۔ قانون کو نہ بتانے کا کیا معاوضہ دیں گی۔۔۔۔۔“

اس نے معصومیت سے کہا

وہ نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔۔۔۔۔

میں سمجھاتا ہوں۔۔۔۔

”زیادہ نہیں پانچ لاکھ دے دیں۔۔۔۔۔“

بہت آرام سے ڈیمانڈ کی گئی تھی

”ہمارے پاس اتنے پیسے کہاں سے آئے؟“

وہ بے جاگی سے بولی۔۔۔۔

”ارے آپ کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔“

وہ یکدم اٹھ بیٹھا مسکراتے ہوئے جوش سے بولا

وہ اس کا منہ دیکھ کے رہ گئی۔۔۔۔

پھر وہ نوٹ دوبارہ وہی رکھ دیئے۔۔۔

اس سے جیتنا مشکل تھا وہ وہاج خان تھا۔۔۔۔ وہ لوگوں کے دماغوں کے ساتھ کھیلنا جانتا تھا۔۔۔۔

”نوٹ جیب میں ڈال کے وہ باہر نکل گیا

نگار بیگم کلس کر رہ گئی۔۔۔۔



اب تو آنکھوں میں فقط دھول ہے کچھ یادوں کی
ہم اسے یاد بھی آئے تو کب یاد آئے۔۔۔۔۔؟

باہر ٹیبل۔۔۔۔۔ کے اوپر پڑے گلدان۔۔۔۔۔ سے تیزی سے کوئی ٹکرایا تھا اور وہ زمین بوس
ہو کے کسی کے پاؤں پہ جا کے گرا تھا۔۔۔۔۔

اس کی نظر اس کے سفید پاؤں سے ہوتے ہوئے اس کے چہرے تک گئی تو ایک لمحے کے لیے اس کے تاثرات بدلے

چہرے پہ سختی درآئی

وہ درد کی شدت سے زمین پہ بیٹھ گئی تھی۔۔

سفید پاؤں خون سے بھر گیا تھا اور ساتھ ہی زمین کو بھی لال کر گیا تھا

پتہ نہیں کیوں اس کا دل پسج رہا تھا۔۔۔۔

وہ اسے نظر انداز کرتا آگے بڑھ گیا۔۔۔

لیکن وہ دو قدم سے آگے نہیں جا پایا۔۔۔۔

پھر پلٹا۔۔۔۔

زمین پہ بیٹھا اسی دن کی طرح-----جیب سے رومال نکالا اور اس کے پاؤں پہ باندھنے
لگا-----

وہ چپ چاپ نظریں جھکا کے بیٹھی رہی

وہ اٹھ کھڑا ہوا-----

جانے لگا-----

جب اس نے پکارا

وہ رکا مگر پلٹا نہیں-----

”ہمیں آپ سے کچھ بات کرنی تھی

وہ کچھ تذبذب کا شکار لگتی تھی اس لیے رک رک کر بول رہی تھی۔۔۔۔

”ہم سے غلطی ہو گئی ہے۔۔۔۔ ہم آپ سے معافی چاہتے ہیں۔۔۔۔“

اس نے شرمندگی سے سر جھکا کے کہا۔۔۔۔

وہ اس چیز کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔۔۔۔

اس لیے فوراً پلٹا۔۔۔۔

میں اتنی جلدی معاف نہیں کرتا لوگوں کو۔۔۔۔“

سختی سے کہہ کے جانے لگا

جب وہ فوراً سے بول پڑی

”آپ جو بھی کہیں گے ہم کریں گے بس ہمیں معاف کر دیں۔۔۔۔۔“

لجے میں التجا تھی

وہ ذو معنی انداز میں ہنسا۔۔۔۔۔

پھر پلٹا۔۔۔۔۔

”جو ہم کہیں مانیں گی۔۔۔۔۔“

اس کے قریب بالکل اس کے سامنے آ کے کھڑا ہوا

اس کی آنکھوں میں دیکھا۔۔۔۔۔

”مجھ سے شادی کر لیں۔۔۔۔۔؟“

چہرے پہ ہنوز تپش بھری مسکراہٹ تھی

وہ جسے مسکراہٹ سمجھ رہی تھی

وہ اصل میں آگ تھی جو اسے لپیٹ میں لینے کے لیے تیار تھی۔۔۔۔

وہ کچھ بھی نہ بول پائی ی بس منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔۔۔۔

”کہیں مانیں گی۔۔۔۔۔؟“

دوبارہ پوچھا گیا تھا

”نہیں نا۔۔۔۔۔“

وہ اٹھ کھڑا ہوا

”پھر معافی بھی نہیں مل سکتی۔۔۔۔۔“

وہ وہاں سے چلا گیا اور وہ اسے روک بھی نہ پائی

پہلی دفعہ دل کو کچھ ہوا تھا

مگر کیوں۔۔۔۔۔؟

